ماہنامہ

اشراق

لاہور

اکتوبر ۲۰۲۲ء

زیر سرپرستی

جاوید احمد غامدی

”نبوت کی حقیقت مخاطبۂ الٰہی ہے۔ سچا خواب اِسی کی ایک صورت ہے۔ انبیا علیہم السلام کو ماضی، حال اور مستقبل کے بعض حقائق اِسی ذریعے سے دکھائے جاتے ہیں۔ اِسرا کا رؤیا اِس کی ایک نمایاں مثال ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے... وضاحت فرمائی ہے کہ بندۂ مومن کے سچے خواب کو نبوت کے مقابل میں رکھ کر دیکھیے تو یہ اُس کے چھیالیس حصوں میں سے محض ایک حصہ ہے۔ تاہم یہ ہے اُسی کا حصہ، اور اِس لحاظ سے بندوں پر اللہ کی بڑی عنایت ہے۔“

—— معارف نبوی

"Note from Publisher: Al-Mawrid is the exclusive publisher of Ishraq. If anyone wishes to republish Ishraq in any format (including on any website), please contact the management of Al-Mawrid on info@al-mawrid.org. Currently, this journal or its contents can be uploaded exclusively on Al-Mawrid.org, JavedAhmadGhamidi.com and Ghamidi.net"

المورد

ادارۂ علم و تحقیق

المورد ملت اسلامیہ کی عظیم علمی روایات کا امین ایک منفرد ادارہ ہے۔ پندرھویں صدی ہجری کی ابتدا میں* یہ ادارہ اِس احساس کی بنا پر قائم کیا گیا ہے کہ تفقہ فی الدین کا عمل ملت میں صحیح نہج پر قائم نہیں رہا۔ فرقہ دارانہ تعصّبات اور سیاست کی حریفانہ کشمکش سے الگ رہ کر خالص قرآن و سنت کی بنیاد پر دین حق کی دعوت مسلمانوں کے لیے اجنبی ہو چکی ہے۔ قرآن مجید جو اِس دین کی بنیاد ہے، محض حفظ و تلاوت کی چیز بن کر رہ گیا ہے۔ دینی مدرسوں میں وہ علوم مقصود بالذات بن گئے ہیں جو زیادہ سے زیادہ قرآن مجید تک پہنچنے کا وسیلہ ہو سکتے تھے۔ حدیث، قرآن و سنت میں اپنی اساسات سے بے تعلق کر دی گئی ہے اور سارا زور کسی خاص مکتب فکر کے اصول و فروع اور دوسروں کے مقابلے میں اُن کی برتری ثابت کرنے پر ہے۔

المورد کے نام سے یہ ادارہ اِس صورت حال کی اصلاح کے لیے قائم کیا گیا ہے۔ چنانچہ اِس ادارے کا بنیادی مقصد دین کے صحیح فکر کی تحقیق و تنقید، تمام ممکن ذرائع سے وسیع پیمانے پر اُس کی نشر و اشاعت اور اُس کے مطابق لوگوں کی تعلیم و تربیت کا اہتمام ہے۔

اِس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے جو طریق کار اختیار کیا گیا ہے، اُس کے اہم نکات یہ ہیں:

۱۔ عالمی سطح پر تذکیر بالقرآن کا اہتمام کیا جائے۔

۲۔ قرآن و سنت کے مطابق خدا کی شریعت اور ایمان و اخلاق کی تعلیم دی جائے۔

۳۔ دین کے صحیح الفکر علما اور محققین کو فیلو کی حیثیت سے ادارے کے ساتھ متعلق کیا جائے اور اُن کے علمی، تحقیقی اور دعوتی کاموں کے لیے اُنھیں ضروری سہولتیں فراہم کی جائیں۔

۴۔ لوگوں کو آمادہ کیا جائے کہ جہاں جہاں ممکن ہے:

ا۔ اسلامی علوم کی ایسی درس گاہیں قائم کریں جن کا مقصد دین کے صحیح الفکر علما اور محققین تیار کرنا ہو۔

ب۔ ایف اے، ایف ایس سی اور اے لیول تک نہایت اعلیٰ معیار کے اسکول قائم کریں جن میں تعلیم و تعلم کے ساتھ طالب علموں کی تخلیقی صلاحیتوں کی نشو و نما اور اُن کی دینی اور تہذیبی تربیت بھی پیش نظر ہو۔

ج۔ عام اسکولوں کے طلبہ کی دینی تعلیم کے لیے ایسے ہفتہ وار مدارس قائم کریں جن میں قرآن کی دعوت خود قرآن ہی کے ذریعے سے طالب علموں کے ذہن میں اِس طرح راسخ کر دی جائے کہ بعد کے زمانوں میں وہ پورے شرح صدر کے ساتھ اپنے دین پر قائم رہ سکیں۔

د۔ ایسی خانقاہیں قائم کریں جہاں لوگ وقتاً فوقتاً اپنے دنیوی معمولات کو چھوڑ کر آئیں، علما و صالحین کی صحبت سے مستفید ہوں، اُن سے دین سیکھیں اور چند روز کے لیے یک سوئی کے ساتھ ذکر و عبادت میں مشغول رہ کر اپنے لیے پاکیزگیِ قلب و نظر کا اہتمام کریں۔

---

* شعبان ۱۴۰۳ھ بمطابق جون ۱۹۸۳ء۔

ماہنامہ

اشراق

لاہور

جلد ۳۴ شمارہ ۱۰ اکتوبر ۲۰۲۲ء ربیع الاول ۱۴۴۴ھ

زیر سرپرستی

جاوید احمد غامدی

مدیر

سید منظور الحسن

فہرست

شذرات

علم حدیث کی نوعیت اور اُس کی جمع و تدوین (۳) — سید منظور الحسن — ۴

قرآنیات

البیان: الاحزاب ۳۳: ۹-۲۷ (۲) — جاوید احمد غامدی — ۱۱

معارف نبوی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام — جاوید احمد غامدی / محمد رفیع مفتی / محسن ممتاز — ۲۱

خواب کی حقیقت — جاوید احمد غامدی / محمد حسن الیاس — ۳۰

مقالات

”میزان“: توضیحی مطالعہ: قانون سیاست (۲) — محمد عمار خان ناصر — ۴۲

نقطۂ نظر

جبری تعلیم — ڈاکٹر عرفان شہزاد — ۵۱

سیلاب یا عذاب؟ — خورشید احمد ندیم — ۵۶

سیر و سوانح

مہاجرین حبشہ (۱۲) — محمد وسیم اختر مفتی — ۵۹

اصلاح و دعوت

تباہی سے بچنے کا راستہ — ابو یحییٰ — ۶۸

کتاب مہجور — محمد ذکوان ندوی — ۷۲

فی شمارہ 50 روپے

سالانہ 500 روپے

رجسٹرڈ 1000 روپے

(زر تعاون بذریعہ منی آرڈر)

بیرون ملک

سالانہ 50 ڈالر

Post Box 5185, Lahore, Pakistan.

www.ghamidi.net, www.javedahmadghamidi.com

https://www.facebook.com/javedahmadghamidi

http://www.javedahmadghamidi.com/index.php/ishraq

شذرات

اشراق

سید منظور الحسن

علم حدیث کی نوعیت اور اُس کی جمع و تدوین

(۳)

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

احادیث کے رد و قبول کے معیارات

اِس پورے پس منظر میں علما و محدثین کی طرف سے جو بڑے اقدامات سامنے آئے، وہ یہ ہیں:

ایک یہ کہ بعض علمی گروہوں نے حدیث کو اصولی طور پر قبول کرنے سے انکار کیا۔ اس معاملے میں معتزلہ اور خوارج نمایاں تھے۔ تاہم امت نے مجموعی طور پر اس رویے کو رد کیا، اور اپنی تاریخ میں حدیث کا انکار کرنے والوں کو کبھی پذیرائی نہیں بخشی۔

دوسرے یہ کہ احادیث چونکہ راویوں کی روایت پر مبنی تھیں، اس لیے ناگزیر تھا کہ اُن میں قابل اعتماد اور ناقابل اعتماد لوگوں کو الگ الگ کیا جائے۔ چنانچہ راویوں کے حالات زندگی کی تحقیق اور عیوب و محاسن کی تفتیش کا عظیم الشان کام شروع ہوا۔ اصطلاح میں اسے 'اسماء الرجال' سے تعبیر کیا گیا۔[۲۵]

اسی ضمن میں موضوع اور جھوٹی حدیثوں کو چھانٹنے کا عمل بھی ساتھ ساتھ شروع ہوا اور جرح و تعدیل کے

۲۵۔ اس سے مراد حدیث کا وہ خاص شعبۂ علم ہے جس میں رجال حدیث، یعنی راویوں کے حالات، پیدایش، وفات، اساتذہ و تلامذہ کی تفصیل، طلب علم کے لیے سفر، ثقہ و غیر ثقہ ہونے کے بارے میں ماہرین علم حدیث کے فیصلے درج ہوتے ہیں۔ اس علم پر سینکڑوں مختصر اور مطول کتابیں لکھی جا چکی ہیں، جن میں کئی لاکھ اشخاص کے حالات زندگی محفوظ ہیں۔ اس ضمن میں وقتاً فوقتاً بہت سی کتابیں تالیف کی گئیں۔

اصولوں کی بناپر موضوع حدیثوں کے بے شمار مجموعے مرتب کیے گئے۔[26]

تیسرے یہ کہ سند کے ساتھ ساتھ متن کی جانچ پڑتال کا کام بھی شروع کیا گیا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ احادیث کو قرآن مجید، سنت ثابتہ اور عقل عام کی روشنی میں پرکھا جائے اور جو احادیث ان سے غیر مطابق ہوں، اُنھیں رد کر دیا جائے۔ اس ضمن میں اصول حدیث کی کتب تالیف کی گئیں۔

چوتھے یہ کہ اُن احادیث کو مجموعوں کی صورت میں جمع کیا گیا جن کی نسبت نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے متحقق اور قابل اطمینان تھی۔ چنانچہ امام بخاری، امام مسلم، امام احمد بن حنبل، امام ابوداؤد، امام ترمذی، امام نسائی، امام ابن ماجہ اور متعدد محدثین نے اپنی تحقیقات اور اپنے اصولوں کی روشنی میں قابل اعتماد احادیث کے مجموعے ترتیب دیے۔

پانچویں یہ کہ امت کے جلیل القدر علما اور فقہا نے احادیث کو حرز جاں بنایا اور ان کی تحقیق و تفتیش اور جمع و تدوین میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ اُنھوں نے پوری احتیاط کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان سے حاصل ہونے والے علم کو درجۂ ظن میں رکھا اور ان کی قبولیت کے لیے انتہائی کڑے معیارات کو قائم کیا۔

فقہا نے فقہی آرا کے لیے احادیث سے استشہاد کا سلسلہ شروع کیا۔ اِس ضمن میں اُنھوں نے قبول عام معیارات کے ساتھ اپنے اپنے نظریے کے لحاظ سے خاص معیارات بھی متعین کیے۔

۲۶۔ فن جرح و تعدیل کی چند اہم کتابوں کے نام یہ ہیں:

تاریخ کبیر، امام بخاری (۲۵۶ھ) الجرح والتعدیل، امام ابی حاتم الرازی (۳۲۷ھ)۔ الکامل فی ضعفاء الرجال، عبداللہ بن عدی الجرجانی (۳۶۵ھ)۔ الجرح والتعدیل، عبدالرحمٰن بن محمد ابن ابی حاتم (۳۲۷ھ)۔ تہذیب الکمال، یوسف بن الزکی المزی (۷۴۲ھ)۔ میزان الاعتدال، ذہبی (۷۴۸ھ)۔ تہذیب التہذیب، ابن حجر العسقلانی (۸۵۲ھ)۔ لسان المیزان، ابن حجر العسقلانی (۸۵۲ھ)۔ سیر اعلام النبلاء، ذہبی (۷۴۸ھ)۔

موضوع احادیث کے بارے میں چند نمایاں کتابیں یہ ہیں:

تذکرة الموضوعات، الحافظ محمد بن طاہر المقدسي (۵۰۷ھ)۔ الموضوعات، امام جوزی (۵۹۷ھ)۔ المنار المنیف، ابن قیم (۷۵۱ھ)۔ اللآلئ المصنوعة في الأحاديث الموضوعة، سیوطی (۹۱۱ھ)۔ الأحاديث الموضوعة في الأحكام المشروعة، موصلی (۶۲۲ھ)۔ موضوعات، الصاغانی (۶۵۰ھ)۔ ترتیب الموضوعات، ابن الجوزی (۵۹۷ھ)۔

مثال کے طور پر امام مالک نے طے کیا کہ اخبار آحاد کی صورت میں روایت ہونے والی احادیث کو اہل مدینہ کے عمل کی روشنی میں دیکھا جائے گا۔ اگر وہ اُس کے مخالف ہوئی تو اُسے رد کر دیا جائے گا۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک خبر واحد اُس صورت میں قبول ہو گی، جب وہ قرآن مجید اور سنت مشہورہ کے خلاف نہ ہو۔ امام شافعی نے خبر واحد کو صحیح الاسناد ہونے کی بنا پر قبول کرنے کا طریقہ اختیار کیا، لیکن انھیں اخبار خاصہ (چند افراد تک محدود رہنے والی خبریں) قرار دے کر اخبار عامہ (اجماع و تواتر سے ملنے والی خبریں) کے تابع رکھنے کا فیصلہ کیا۔

مطلب یہ ہے کہ احادیث کے رد و قبول کے معیارات کے تعین میں اہل علم کے مابین ہمیشہ فرق قائم رہا۔ یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ ایک حدیث ایک محدث یا فقیہ کے نزدیک مقبول ہوتی ہے، مگر دوسرے محدث یا فقیہ کے نزدیک مردود قرار پاتی ہے۔[27]

امام مالک اور امام ابو حنیفہ نے احادیث کو قبول کرنے کے لیے نسبتاً زیادہ سخت معیارات قائم کیے، اس لیے اُنھوں نے متعدد ایسی روایتوں کو قبول کرنے سے انکار کیا جو اُن کے نزدیک دین کی اساسات کے خلاف اور

۲۷۔ ابو زہرہ، "تاریخ التشریع الاسلامی للخضری" کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"سابقہ بیانات اس حقیقت کی آئینہ داری کرتے ہیں کہ حدیث نبوی کی قدر و قیمت معین کرنے میں بڑا اختلاف پایا جاتا تھا۔ گاہے ایسا ہوتا کہ حنفی شخص حدیث کی شہرت کی بنا پر اس پر عمل کرتا اور شافعی المسلک ضعیف الاسناد ہونے کی بنا پر اس کو متروک العمل ٹھیراتا۔ ایک مالکی المسلک شخص ایک حدیث پر اس لیے عمل نہ کرتا کہ اہل مدینہ کا تعامل اس کے خلاف ہے۔ اس کے برخلاف شافعی المسلک صحیح الاسناد ہونے کی بنا پر اس پر عمل کرتا۔ آخری دور میں ایسے لوگ منظر عام پر آئے جو اپنے فقہی مسالک کی تائید و حمایت کرتے اور دوسرے ائمہ پر تنقید کرتے تھے۔ انھوں نے ان اصول و ضوابط کو نظر انداز کر دیا، جن پر ان کے ائمہ گامزن تھے۔ وہ جب دیکھتے کہ دوسرے فقہی مسلک کے حاملین نے کسی حدیث پر عمل نہیں کیا تو وہ ان پر معترض ہوتے کہ انھوں نے ایک صحیح الاسناد حدیث کی مخالفت کی ہے۔ اگرچہ وہ حدیث ان شرائط کی جامع نہ ہو جو دوسرے فقہی مسلک کے حاملین کے نزدیک ضروری ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ یہ بھی کرتے کہ جس حدیث پر ان کے امام نے عمل نہیں کیا، وہ حتی المقدور جیسے بھی ممکن ہو، اس کو ضعیف ٹھیرانے کی کوشش کرتے، حالاں کہ یوں کہنا بہت آسان تھا کہ چونکہ وہ حدیث ان ضروری شرائط کی حامل نہیں جو امام کے نزدیک لازم تھے، اس لیے امام نے اس کو معمول بہ قرار نہیں دیا۔" (تاریخ التشریع الاسلامی للخضری ۲۱۰)

قرآن وسنت سے معارض تھیں۔

اُن کے اس عمل کو بعض علما اور علمی گروہوں نے ہدف تنقید بنایا اور بعض نے انکار حدیث یا اپنی رائے کو حدیث پر ترجیح دینے کا الزام عائد کیا۔

تاہم علماے امت کی اکثریت نے ایسے الزامات کی تردید کی۔ امام ابن عبد البر ''جامع بیان العلم وفضلہ'' میں لکھتے ہیں:

''امام ابو حنیفہ کسی عناد کی بنیاد پر احادیث کی مخالفت نہیں کرتے تھے، بلکہ قوی دلائل و براہین کے پیش نظر بنا بر اجتہاد آپ نے یہ موقف اختیار کیا تھا، اس لیے اگر آپ کا یہ اجتہاد غلط ہے تو ان کو ایک اجر ملے گا اور اگر درست ہے تو دو اجر۔ آپ کو ہدف نقد و جرح بنانے والے یا تو حاسد ہیں اور یا اجتہاد کی حقیقت سے بے گانہ اشخاص۔''

جلیل القدر فقہا اور محدثین میں کوئی ایک امام بھی ایسا نہیں ہے جس نے متعدد احادیث کو بوجوہ رد نہ کیا ہو۔[۲۸]

احادیث کے مجموعے

تیسری صدی ہجری میں حدیث کی جمع و تدوین کا کام زیادہ ذوق و شوق اور اہتمام کے ساتھ سامنے آیا۔ اس صدی کی نمایاں تالیفات یہ ہیں:

کتاب الام للشافعی (۲۰۴ھ)،

مسند الطیالسی (۲۰۴ھ)،

۲۸۔ امام ابن عبد البر لکھتے ہیں کہ ائمۂ مجتہدین میں سے کوئی امام بھی ایسا نہیں جس نے متعدد احادیث کو بوجوہ رد نہ کر دیا ہو یا تو اس لیے کہ وہ احادیث ان کے نزدیک شرائط صحت کی جامع نہیں یا منسوخ ہونے کی وجہ سے یا اس لیے کہ ان کی معارض دوسری حدیث موجود ہے۔ امام مالک ہی کو دیکھیے باوجودیکہ آپ امام دار الہجرت اور امیر المومنین فی الحدیث تھے۔ تاہم آپ نے ستر (۷۰) احادیث کی مخالفت کر کے اپنی رائے پر عمل کیا، اس لیے کہ وہ احادیث ان کے معیار پر پوری نہیں اترتی تھیں (جامع البیان ۲/ ۱۴۸۔ شروط الائمۃ الخمسہ ۴۹، نیز مقدمہ ابن خلدون فصل علوم الحدیث و مقدمہ قسطلانی علی البخاری ۳۳)۔

مصنف عبد الرزاق (۲۱۱ھ)،

مصنف ابن ابی شیبہ (۲۳۵ھ)،

مسند احمد بن حنبل (۲۴۱ھ)،

الجامع الصحیح للبخاری (۲۵۶ھ)،

الجامع الصحیح للمسلم (۲۶۱ھ)،

سنن ابوداؤد (۲۷۵ھ)،

الجامع للترمذی (۲۷۹ھ)،

سنن ابن ماجہ (۲۷۳ھ)،

سنن نسائی (۳۰۳ھ)،

ان میں سے موخرالذکر چھ کو صحاح ستہ کے نام سے شہرت حاصل ہوئی۔

یہ اور ان کے بعد تالیف ہونے والے درجنوں مجموعہ ہاے حدیث کے حوالے سے دو سوال اہم ہیں:

ایک یہ کہ کیا ان میں نقل احادیث کی صحت کے بارے میں علما کے مابین اتفاق پایا جاتا ہے؟

دوسرے یہ کہ کیا محدثین نے اپنے مجموعوں میں اپنی محققہ تمام روایات کو بالاستیعاب شامل کیا ہے؟

ان دونوں سوالوں کا جواب نفی میں ہے۔

ہر مجموعۂ حدیث پر دیگر علما و محدثین کی طرف سے نقد سامنے آیا ہے۔

مثال کے طور پر مسند احمد بن حنبل کے بارے میں بعض علما کی راے ہے کہ اس میں صحیح، ضعیف اور موضوع ہر طرح کی روایات شامل ہیں۔ ابن الجوزی نے مسند کی انتیس احادیث کو موضوعات میں شمار کیا ہے۔ عراقی کہتے ہیں کہ مسند میں ضعیف احادیث تو یقیناً موجود ہیں، بلکہ احادیث موضوعہ بھی ہیں جن کو میں نے ایک جز میں یکجا کر دیا ہے۔ امام احمد کے بیٹے عبد اللہ نے مسند میں جو اضافے کیے ہیں، اس میں ضعیف اور موضوع سب قسم کی روایات موجود ہیں۔[۲۹]

جہاں تک اس مسئلے کا تعلق ہے کہ محدثین نے ان مجموعوں میں اپنی دریافت شدہ تمام روایتوں کو شامل کیا

۲۹۔ تدریب الراوی ۵۶۔

ہے تو اس کے جواب میں صرف بخاری و مسلم کے کام سے صورت حال کا اندازہ ہو جائے گا۔

امام بخاری کا قول ہے کہ اُنھوں نے خوف طوالت سے بعض صحیح احادیث کو ترک کر دیا۔[30] امام مسلم کے بقول اُنھوں نے صرف وہی احادیث اپنی کتاب میں شامل کی ہیں جن کی صحت پر علما کا اتفاق ہے۔[31]

بخاری و مسلم کے اس فیصلے کو بعض محدثین نے ہدف تنقید بھی بنایا ہے۔ مثلاً ابن حبان کہتے ہیں کہ بخاری و مسلم پر یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ انھوں نے بعض ایسی احادیث کو شامل نہیں کیا جو اُن کے شرائط کے مطابق صحیح کے درجے کی تھیں۔[32] امام دار قطنی کا قول ہے کہ بخاری و مسلم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی متعدد احادیث کو اپنی کتب میں شامل نہیں کیا، درآں حالیکہ اُن کے اپنے شرائط کے مطابق اُنھیں شامل کرنا ضروری تھی۔[33] امام بیہقی کہتے ہیں کہ ان محدثین نے ''صحیفۂ ہمام بن منبہ'' کی بعض روایات کو شامل کیا ہے اور بعض کو شامل نہیں کیا، جب کہ اس صحیفے کی روایات کا سلسلۂ اسناد ایک ہی ہے۔[34] امام حاکم ابو عبد اللہ نیشا پوری نے اپنی کتاب ''معرفۃ علوم الحدیث'' میں متعدد ایسے راویوں کا ذکر کیا ہے جو ثقہ ہیں، مگر بخاری و مسلم نے انھیں قبول نہیں کیا۔ ان میں صحابہ، تابعین اور تبع تابعین شامل ہیں۔ اِسی طرح یہ بھی حقیقت ہے کہ بخاری و مسلم نے امام ابو حنیفہ، امام شافعی سے موقع اور معاصرت کے باوجود روایات نہیں لیں۔ امام بخاری نے امام احمد سے روایت نہیں لی اور

۳۰۔ جملہ حفاظ وائمۂ حدیث کا اجماعی فیصلہ ہے کہ بخاری و مسلم نے اپنی اپنی کتاب میں احادیث صحیحہ کا استیعاب نہیں کیا اور نہ اس کا التزام کیا ہے۔ امام بخاری سے منقول ہے کہ انھوں نے فرمایا:

> ''میں نے صحیح بخاری میں صرف وہی احادیث شامل کی ہیں جو صحیح تھیں۔ اور بعض احادیث صحیحہ کو خوف طوالت کے پیش نظر ترک کر دیا'' (تاریخ حدیث و محدثین، ابو زہرہ ۵۰۰)۔

۳۱۔ امام مسلم سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا:

> ''جو احادیث صحیحہ مجھے یاد تھیں، وہ سب کی سب میں نے اس کتاب میں شامل نہیں کیں۔ میں نے صرف وہ احادیث اس میں جمع کی ہیں جن کی صحت پر اجماع قائم ہو چکا ہے۔'' (مقدمہ ابن الصلاح، تاریخ حدیث و محدثین، ابو زہرہ ۵۰۱)

۳۲۔ تاریخ حدیث و محدثین، ابو زہرہ ۵۰۲۔

۳۳۔ تاریخ حدیث و محدثین، ابو زہرہ ۵۰۲۔

۳۴۔ تاریخ حدیث و محدثین، ابو زہرہ ۵۰۲۔

امام مسلم نے امام بخاری کی سند سے کوئی روایت نہیں لی۔[35]

[باقی]

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

۳۵۔ شیخ محمد زاہد کوثری ''شروط الائمۃ الخمسہ للحازمی'' کے حاشیہ پر رقم طراز ہیں:

''یہ امر قابل غور ہے کہ شیخین (امام بخاری و مسلم) نے صحیحین (صحیح بخاری و صحیح مسلم) میں امام ابو حنیفہ کی کوئی روایت شامل نہیں کی، باوجودیکہ ان کی ملاقات جناب امام کے کم سن اصحاب الاصحاب سے ہوئی تھی اور ان سے اخذ و استفادہ بھی کیا تھا۔ بخاری و مسلم نے امام شافعی کی کوئی روایت بھی شامل کتاب نہیں کی، اس کے باوصف کہ وہ دونوں امام شافعی کے بعض تلامذہ کو مل چکے تھے۔ امام بخاری نے امام احمد کی صرف دو روایتیں کتاب میں شامل کی ہیں۔ ایک تعلیقاً (بلا سند) اور دوسری بالواسطہ، حالاں کہ امام بخاری امام احمد سے مل چکے تھے اور ان کی صحبت میں رہ چکے تھے۔ اسی طرح امام مسلم نے امام بخاری کی کوئی روایت صحیح مسلم میں شامل نہیں کی، اس کے باوجود کہ وہ بخاری کے شاگرد اور ان کے تربیت یافتہ ہیں۔ مسلم نے امام احمد سے تیس کے لگ بھگ احادیث روایت کی ہیں۔ امام احمد نے اپنی مسند میں امام مالک سے از نافع بطریق شافعی صرف چار حدیثیں روایت کی ہیں، حالاں کہ یہ صحیح ترین سند ہے یا صحیح ترین اسانید میں سے ایک ہے۔ امام احمد نے شافعی سے لے کر جو احادیث روایت کی ہیں، وہ بیس سے بھی کم ہیں، اس کے باوصف کہ امام احمد امام شافعی کی صحبت میں رہ کر ان سے موطا امام مالک کا سماع کر چکے تھے۔ مزید برآں امام احمد کو امام شافعی کے مذہب قدیم کے راویوں میں سے بھی شمار کیا جاتا ہے۔'' (تاریخ حدیث و محدثین، ابوزہرہ ۵۰۴)

البیان

جاوید احمد غامدی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ الاحزاب

(۲)

(گذشتہ سے پیوستہ)

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ
فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ۚ﴿۹﴾

ایمان والو، (تم اِن کی پروا نہ کرو، تمھارے لیے اللہ کافی ہے، اور) اپنے اوپر خدا کی عنایت کو یاد رکھو، جب تم پر فوجوں کی فوجیں چڑھ آئیں[19] تو ہم نے اُن پر ایک سخت آندھی بھیج دی[20] اور ایسی

۱۹۔ آگے کی آیات سے واضح ہے کہ یہ غزوۂ احزاب کے واقعات کا حوالہ ہے۔ یہ غزوہ شوال ۵/ ہجری میں واقع ہوا۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

"... یہود بنی نضیر کے کچھ لیڈروں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ سے خیبر کی طرف جلاوطن کر دیا تھا۔ اُنھوں نے مکہ جا کر قریش کے لیڈروں سے فریاد کی اور اُن کو آمادہ کیا کہ وہ مدینہ پر حملہ کریں۔ قریش حملے کے لیے پہلے سے پر تول رہے تھے۔ جب اُن کو یہود کی شہ بھی حاصل ہو گئی تو گویا مانگی مراد مل گئی۔ اِس کے بعد غطفان اور ہوازن کے لیڈروں کو بھی اُنھوں نے ہموار کر لیا۔ اِس طرح تقریباً دس ہزار کا ایک لشکر جرار مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لیے تیار ہو گیا۔ قریش کا لشکر ابوسفیان کی سرکردگی میں تھا اور غطفان و ہوازن عیینہ بن حصن اور عامر بن طفیل کی قیادت میں نکلے۔ مزید برآں حیی بن اخطب نضری نے یہود بنی قریظہ کو بھی

فوجیں جو تم کو نظر نہیں آئیں[21] اور (یقین رکھو کہ) جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ اُس کو برابر دیکھنے والا ہے۔

اِس متحدہ محاذ میں شامل ہونے پر آمادہ کر لیا۔ اگرچہ اُنھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ معاہدۂ امن و صلح کر رکھا تھا، لیکن اِس موقع کو اُنھوں نے غنیمت جانا اور معاہدے کی پروانہ کی۔ اِن کی تعداد کم و بیش آٹھ سو تھی۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب دشمنوں کی اِن تیاریوں کی خبر ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مشورے سے مسلمانوں کو مدینہ کی اُن سمتوں میں خندق کھودنے کا حکم دیا جن سے حملہ کا خطرہ تھا۔ چنانچہ شہر کی شمالی اور مغربی سمت میں ساڑھے تین میل لمبی ایک خندق کھودی گئی اور یہ کام نہایت سرگرمی کے ساتھ اُن تین ہزار مجاہدوں نے انجام دیا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور خود سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بہ نفس نفیس اِس کام میں حصہ لیا۔

دشمنوں نے مدینے کا محاصرہ کر لیا اور یہ محاصرہ تقریباً ایک ماہ رہا، لیکن اِس دوران میں سنگ باری اور تیر اندازی کے اکا دکا واقعات کے سوا دو بدو جنگ کی کوئی نوبت نہیں آئی۔ دشمن نے یہ اندازہ کر لیا کہ مسلمانوں نے مدافعت کی پوری تیاری کر رکھی ہے۔ پھر محاذ میں پھوٹ بھی پڑ گئی اور مزید بر آں ایک طوفانی ہوا نے اُن کے خیمے و شامیانے، سب اکھاڑ کے پھینک دیے جس کے بعد اُن کے حوصلے پست ہو گئے اور ابوسفیان نے واپسی کا اعلان کر دیا۔*" (تدبر قرآن ۶/۱۹۳)

۲۰۔ یہ آندھی اُس وقت آئی تھی، جب محاصرے کو تقریباً ایک مہینا گزر چکا تھا۔ روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایسی طوفانی آندھی تھی کہ استاذ امام کے الفاظ میں، اِس سے خیموں کی چوبیں اور طنابیں اکھڑ گئیں، دیگیں الٹ گئیں، سواری کے جانور تتر بتر ہو گئے، سردی کی شدت کے باوجود آگ جلانا ناممکن ہو گیا، تاریکی کا یہ عالم تھا کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا تھا۔

۲۱۔ یہ فرشتوں کی فوجوں کی طرف اشارہ ہے جو ہمیشہ پیغمبر اور اُس کے ساتھیوں کے ہم رکاب رہتی ہیں۔ قرین قیاس یہ ہے کہ مسلمانوں نے تو، جیسا کہ بیان ہوا، اِن کو نہیں دیکھا، لیکن قریش کو یہ فوجیں نظر آئیں جس سے اُنھوں نے یہ سمجھا کہ مسلمانوں کی جمعیت بہت بڑی ہے۔ چنانچہ آندھی کے ساتھ یہ چیز بھی اُن کی مرعوبیت کا باعث ہوئی۔

* السیرۃ النبویہ، ابن ہشام ۳/۱۹۵۔

اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ
وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ﴿۱۰﴾ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ
الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا ﴿۱۱﴾
وَاِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اِلَّا

یاد کرو، جب وہ تمھارے اوپر کی طرف سے بھی اور تمھارے نیچے کی طرف سے بھی تم پر چڑھ آئے تھے،[۲۲] جب (خوف کے مارے) آنکھیں بہک گئی تھیں[۲۳] اور کلیجے منہ کو آ گئے تھے اور اللہ کے بارے میں تم لوگ طرح طرح کے گمان کرنے لگے تھے۔[۲۴] اُس وقت ایمان والے امتحان میں ڈالے گئے اور بری طرح ہلا دیے گئے۔[۲۵] ۹-۱۱

اور[۲۶] جب منافقین کہتے تھے اور وہ بھی جن کے دلوں میں روگ ہے[۲۷] کہ اللہ اور اُس کے رسول

۲۲۔ مدینہ کی مشرقی سمت بلند اور مغربی سمت نشیبی ہے۔ روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ قبیلہ غطفان وغیرہ کا حملہ مشرق کی طرف سے اور قریش اور اُن کے حلیفوں کا مغرب کی طرف سے ہوا تھا۔* یہ اُسی کی طرف اشارہ ہے۔

۲۳۔ یہ اُس صورت حال کی تعبیر ہے، جب منظر ایسا دہشت ناک ہو کہ نگاہ اُس پر ٹکنے نہ پائے اور بے قابو ہو کر بار بار بہک جائے۔

۲۴۔ آگے کی آیتوں سے واضح ہو جائے گا کہ یہ اشارہ اُن لوگوں کی طرف ہے جو ضعف ایمان اور منافقت کی بیماری میں مبتلا تھے۔ اُن کے اوسان یہ منظر دیکھ کر خطا ہو گئے اور خدا کی نصرت اور اُس کے وعدوں کے بارے میں جو کچھ اُنھیں بتایا گیا تھا، وہ سب اُن کے لیے مشکوک ہو کر رہ گیا۔

۲۵۔ اِس لیے کہ ایک طرف دشمنوں کی یورش تھی اور دوسری طرف اُن کی اپنی صفوں کے اندر بعض لوگوں کا وہ حال ہو رہا تھا جو یہاں بیان کیا گیا ہے۔

۲۶۔ یہاں سے آگے اب اُس اجمال کی تفصیل ہے جس کے لیے پیچھے 'تَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا' کے الفاظ آئے ہیں۔

---

* السیرۃ النبویہ، ابن ہشام ۳/ ۲۰۰۔

غُرُوْرًا ﴿١٢﴾ وَاِذْ قَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ يٰٓاَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا ۚ
وَيَسْتَاْذِنُ فَرِيْقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُيُوْتَنَا عَوْرَةٌ ۛ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ ۚ اِنْ
يُّرِيْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا ﴿١٣﴾ وَلَوْ دُخِلَتْ عَلَيْهِمْ مِّنْ اَقْطَارِهَا ثُمَّ سُئِلُوا الْفِتْنَةَ

نے جو وعدے[٢٨] ہم سے کیے تھے، وہ نرا فریب ہی تھے۔ اور جب اُن میں سے ایک گروہ[٢٩] نے کہا کہ یثرب والو، تمھارے لیے اب ٹھیرنے کا کوئی موقع نہیں ہے، اِس لیے لوٹ جاؤ۔[٣٠] اور اُن میں سے ایک گروہ نبی سے اجازت مانگ رہا تھا۔ وہ کہتا تھا کہ ہمارے گھر خطرے میں ہیں، دراں حالیکہ وہ خطرے میں نہیں تھے۔ وہ صرف بھاگنا چاہتے تھے۔[٣١] اُن کے گھروں کے اطراف سے اگر اُن

٢٧۔ یعنی بغض و عناد اور کینہ بھرا ہوا ہے۔ یہ منافقین کے اُس گروہ کی طرف اشارہ ہے جو محض منافق ہی نہیں تھا، اِس کے ساتھ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف دلی عناد بھی رکھتا تھا۔

٢٨۔ یعنی اِس بات کے وعدے کہ اللہ کی مدد آئے گی اور آخر کار غلبہ اہل ایمان ہی کو حاصل ہو گا۔ روایتوں میں بیان ہوا ہے کہ اِسی گروہ کے بعض شریروں نے یہ تک کہہ دیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو ہمیں قیصر و کسریٰ کے خزانوں پر قبضے کی نوید سنا رہے تھے اور یہاں حال یہ ہے کہ رفع حاجت کے لیے بھی نکلنا مشکل ہو رہا ہے۔*

٢٩۔ یہ غالباً منافقین اعراب کا گروہ ہے جن کے لیے قرآن میں 'اَشَدُّ كُفْرًا وَّ نِفَاقًا' کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ اِس کا قرینہ یہ ہے کہ اِنھوں نے مدینہ کے لوگوں کو 'یثرب والو' کہہ کر خطاب کیا ہے۔ یہ اگر مدینہ کے باشندے ہوتے تو اپنے ہی شہر کے لوگوں کو اِس طرح مخاطب نہ کرتے۔

٣٠۔ اُن کا مدعا یہ تھا کہ اِس صورت میں ممکن ہے کہ حملہ آور فوجیں تمھارے ساتھ کچھ نرمی کا معاملہ کریں، لیکن نوبت اگر جنگ کی آگئی تو پھر تمھاری خیر نہیں ہے۔

٣١۔ یہ بھی اُنھی منافقین اعراب کا ایک دوسرا گروہ ہے جس نے جنگ سے بھاگنے کے لیے یہ عذر پیش کیا۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

---

* السیرۃ النبویہ، ابن ہشام ٣/ ٢٠٢۔

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

لَاٰتَوْهَا وَمَا تَلَبَّثُوْا بِهَآ اِلَّا يَسِيْرًا ﴿۱۴﴾ وَلَقَدْ كَانُوْا عَاهَدُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ لَا
يُوَلُّوْنَ الْاَدْبَارَ ؕ وَكَانَ عَهْدُ اللّٰهِ مَسْـُٔوْلًا ﴿۱۵﴾ قُلْ لَّنْ يَّنْفَعَكُمُ الْفِرَارُ اِنْ
فَرَرْتُمْ مِّنَ الْمَوْتِ اَوِ الْقَتْلِ وَاِذًا لَّا تُمَتَّعُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۶﴾ قُلْ مَنْ ذَا الَّذِيْ
يَعْصِمُكُمْ مِّنَ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَ بِكُمْ سُوْٓءًا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً ؕ وَلَا يَجِدُوْنَ

پر حملہ ہو جاتا، پھر اُنھیں فتنے [۳۲] کی دعوت دی جاتی تو وہ اُس میں جا پڑتے اور اِس میں بہت کم توقف کرتے۔ اِس سے پہلے اُنھوں نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ وہ پیٹھ نہیں دکھائیں گے [۳۳] اور اللہ سے کیے ہوئے عہد کی بازپرس تو (ایک دن) ہونی ہے۔ [۳۴] اُن سے کہو، اگر تم موت یا قتل سے بھاگو گے تو یہ بھاگنا تمھارے کچھ بھی کام نہ آئے گا اور اگر بچ بھی گئے تو چند دنوں ہی کے لیے کچھ فائدہ اٹھا لو گے۔ اُن سے پوچھو، کون ہے جو تمھیں خدا سے بچا سکے گا، اگر وہ تمھیں کوئی نقصان پہنچانا چاہے یا اُس کی رحمت

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

"...پہلے گروہ نے مدینہ والوں کو پست ہمت کر کے اُن کو محاذ سے ہٹانے کی کوشش کی اور اِس گروہ نے خود اپنے لیے راہ فرار تلاش کرنے کی تدبیر کی تاکہ دشمن کے لیے میدان بالکل صاف ہو جائے۔ اِس گروہ کا یہ عذر بھی کہ "ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں"، اِس بات کا قرینہ ہے کہ اِن کا تعلق اطراف مدینہ کے دیہاتوں سے تھا۔ جہاں تک اہل مدینہ کا تعلق ہے، اُن کے لیے اِس قسم کے کسی بہانے کی گنجایش نہیں تھی۔ اِس جنگ سے متعلق جو تفصیلات کتابوں میں مذکور ہیں، اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں اور بچوں کی حفاظت کا انتظام پہلے سے کر لیا گیا تھا۔" (تدبر قرآن ۶/ ۲۰۲)

۳۲۔ یعنی اِس بات کی دعوت دی جاتی کہ خدا کے دین کو خود بھی چھوڑیں اور دوسروں کو بھی اِسے چھوڑنے کے لیے مجبور کریں۔

۳۳۔ یہ خاص طور پر اُس عہد کی طرف اشارہ ہے جو اِن لوگوں نے اِس سے پہلے غزوات میں شرکت سے گریز کے بعد اپنے اوپر اعتماد کی بحالی کے لیے کیا تھا۔ قرآن میں اِس کا ذکر ایک سے زیادہ مقامات پر ہوا ہے۔

۳۴۔ یہ بڑی سخت وعید ہے۔ مدعا یہ ہے کہ بازپرس تو ہر جرم کی ہو سکتی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کے ساتھ اِس عہد کا معاملہ معمولی نہیں ہے، اِس کی بازپرس لازماً ہونی ہے۔

لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿١٧﴾

قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الْمُعَوِّقِيْنَ مِنْكُمْ وَالْقَآئِلِيْنَ لِاِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ اِلَيْنَا ۚ وَلَا يَاْتُوْنَ الْبَاْسَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿١٨﴾ اَشِحَّةً عَلَيْكُمْ ۚۖ فَاِذَا جَآءَ الْخَوْفُ رَاَيْتَهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ تَدُوْرُ اَعْيُنُهُمْ كَالَّذِيْ يُغْشٰى عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۚ فَاِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوْكُمْ بِاَلْسِنَةٍ حِدَادٍ اَشِحَّةً عَلَى الْخَيْرِ ۭ اُولٰٓئِكَ لَمْ يُؤْمِنُوْا

کو روک سکے گا،[۳۵] اگر وہ تم پر رحمت کرنا چاہے؟ حقیقت یہ ہے کہ خدا کے مقابل میں وہ اپنے لیے کوئی حامی اور مددگار نہ پائیں گے۔[۳۶] ۱۲-۱۷

اللہ تم میں سے اُن لوگوں کو خوب جانتا ہے جو (اُس کی راہ میں) اِس جنگ سے دوسروں کو روکتے اور اپنے بھائیوں سے کہتے رہے ہیں کہ ہمارے پاس آجاؤ[۳۷] اور تم سے جان چراتے ہوئے وہ خود بھی لڑائی میں کم ہی حصہ لیتے رہے ہیں۔ چنانچہ جب خطرے کا موقع آجاتا ہے تو تم اُن کو دیکھتے ہو کہ تمھاری طرف دیکھ رہے ہیں، اِس طرح کہ اُن کی آنکھیں گردش کر رہی ہیں، جیسے کسی پر موت کی بے ہوشی طاری ہو۔ پھر جب خطرہ گزر جاتا ہے تو مال کی حرص میں وہ تم پر تیز زبانوں

۳۵۔ یہ فقرہ اصل میں محذوف ہے۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

”...اِس حذف کو کھول دیجیے تو پوری بات یوں ہو گی: 'أَوْ يُمْسِكُ رَحْمَتَهٗ إِنْ أَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً' (یا اِس کی رحمت کو روک سکے، اگر وہ تم پر رحمت کرنا چاہے)۔ عربی میں حذف کے اِس اسلوب کی مثالیں بہت ہیں۔ 'متقلدًا سیفًا و رمحًا' میں بھی یہی اسلوب ملحوظ ہے۔“ (تدبر قرآن ۶/ ۲۰۴)

۳۶۔ یہاں سیاق کلام چونکہ تنبیہ کا ہے، اِس وجہ سے آخر میں تنبیہ کے پہلو ہی کو نمایاں کیا ہے، دراں حالیکہ اوپر رحمت کا ذکر بھی ہوا ہے۔

۳۷۔ یعنی خطرے کی جگہوں سے دور اپنے آپ کو بچا کر جہاں ہم بیٹھے ہوئے ہیں، وہاں آجاؤ۔ غزوۂ خندق کے موقع پر دفاعی لائن چونکہ بہت طویل تھی، اِس لیے جنگ سے گریز و فرار کے لیے اِس طرح کی جگہیں تلاش کر لینا مشکل نہیں تھا۔

فَاَحْبَطَ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۱۹﴾ يَحْسَبُوْنَ الْاَحْزَابَ
لَمْ يَذْهَبُوْا ۚ وَاِنْ يَّاْتِ الْاَحْزَابُ يَوَدُّوْا لَوْ اَنَّهُمْ بَادُوْنَ فِى الْاَعْرَابِ يَسْاَلُوْنَ
عَنْ اَنْۢبَآئِكُمْ ؕ وَلَوْ كَانُوْا فِيْكُمْ مَّا قٰتَلُوْٓا اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۲۰﴾

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِىْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ
الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ﴿۲۱﴾ وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ ۙ قَالُوْا هٰذَا مَا

سے چڑھ چڑھ کر بولتے ہیں۔[۳۸] یہ لوگ ایمان نہیں لائے تو اللہ نے اِن کے اعمال اکارت کر دیے اور یہ اللہ کے لیے بہت آسان ہے۔[۳۹] یہ سمجھ رہے ہیں کہ دشمن کے لشکر ابھی گئے نہیں ہیں[۴۰] اور اگر یہ لشکر پھر آجائیں تو اِن کی تمنا ہو گی کہ بدوؤں کے ساتھ کہیں دیہات میں ہوں اور وہیں سے تمھاری خبریں پوچھتے رہیں۔ (یہی بہتر ہے، اِس لیے کہ) اگر یہ تمھارے درمیان ہوتے بھی تو لڑائی میں کم ہی حصہ لیتے۔ ۱۸-۲۰

(لوگو)، اللہ کے رسول میں تمھارے لیے (اُس وقت ثبات و استقامت کا) ایک بہترین نمونہ موجود تھا، اُن کے لیے جو اللہ سے ملاقات[۴۱] اور روز آخرت کی توقع رکھتے ہیں اور اللہ کو بہت زیادہ

۳۸۔ یعنی اپنی شجاعت و شہامت کے دعوے کرتے اور دوسروں کو ہدف مطاعن بناتے ہیں تاکہ مال غنیمت میں سے زیادہ سے زیادہ حصہ لے سکیں۔

۳۹۔ یہ اِس لیے فرمایا ہے کہ کوئی اِس مغالطے میں نہ رہے کہ خدا اپنی شان کریمی سے اِن کے چھد ااتارنے والے اعمال کو بھی قبول کر لے گا۔ ہرگز نہیں، وہ بڑا غیور ہے اور اِن کے کسی عمل کا محتاج بھی نہیں ہے، لہٰذا اُس کے لیے بہت آسان ہے کہ جو عمل خالص اُس کی رضاجوئی کے لیے اور خوبی کے ساتھ نہیں کیا گیا، اُسے اِن کے منہ پر پھینک مارے کہ جاؤ، اِس کا صلہ وہیں تلاش کرو، جہاں یہ کر کے آئے ہو۔

۴۰۔ یعنی ایسے خوف زدہ ہو چکے ہیں کہ لشکر اپنے ٹھکانوں پر پہنچ گئے ہیں اور یہ ابھی تک یہی خیال کر رہے ہیں کہ وہ اُسی طرح پڑاؤ ڈالے ہوئے ہیں۔

۴۱۔ آیت میں یہاں مضاف محذوف ہے۔ ہم نے ترجمے میں اُسے کھول دیا ہے۔

وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ز وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا ﴿۲۲﴾
مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ج فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ
وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ز وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ﴿۲۳﴾ لِّيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ

یاد کرتے ہیں۔[۴۲] اور سچے اہل ایمان (کا حال اُس وقت یہ تھا کہ اُنھوں) نے جب لشکروں کو دیکھا تو پکار اٹھے کہ یہ تو وہی چیز ہے جس کا اللہ اور اُس کے رسول نے ہم سے وعدہ کیا تھا اور اللہ اور اُس کے رسول کی بات بالکل سچی تھی۔[۴۳] اور (اُن کے اندر کوئی کم زوری پیدا کرنے کے بجاے) اِس چیز نے اُن کے ایمان واطاعت ہی کو اور بڑھا دیا۔ ۲۱-۲۲

ایمان والوں میں وہ مردان حق[۴۴] بھی ہیں کہ اُنھوں نے اللہ سے جس چیز پر عہد کیا تھا، اُسے پورا کر دکھایا ہے۔ پھر اُن میں سے کوئی اپنا ذمہ پورا کر چکا اور کوئی منتظر ہے۔[۴۵] اُنھوں نے اِس میں ذرا بھی تبدیلی نہیں کی ہے۔ (یہ امتحان اِسی لیے برپا کیا گیا تھا) تاکہ اللہ سچوں کو اُن کی سچائی کا بدلہ

۴۲۔ روے سخن منافقین ہی کی طرف ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تم نے اگر رسول کی پیروی نہیں کی تو اِس کی وجہ یہ تھی کہ نہ خدا اور آخرت پر تمھارا ایمان تھا، نہ خدا کی یاد سے تمھارے دل آباد تھے اور یہ سعادت اُنھی کو حاصل ہوتی ہے جن کے اندر خدا اور آخرت پر سچا ایمان ہو اور اپنے اِس ایمان کو وہ خدا کی یاد سے تازہ رکھیں۔

۴۳۔ اوپر منافقین کا قول گزر چکا ہے۔ یہ اُس کے مقابل میں اب سچے مسلمانوں کا تاثر بیان کیا ہے کہ خدا اور اُس کے رسول کا وعدہ یہی تو تھا کہ اُس کی راہ میں اِسی طرح کے صبر آزما امتحان پیش آئیں گے جن سے گزرنے کے بعد ہی تم کامیابی کی منزل تک پہنچو گے۔ لہٰذا یہ وعدہ پورا ہوا اور یہ بات بالکل سچی ثابت ہو گئی۔ سورۂ بقرہ (۲) کی آیت ۲۱۴ اور سورۂ عنکبوت (۲۹) کی آیات ۲-۳ میں اللہ تعالیٰ نے اِسی وضاحت کے ساتھ اِسے بیان کیا ہے۔

۴۴۔ اصل میں لفظ 'رِجَال' استعمال ہوا ہے۔ اِس کی تنکیر تفخیم شان کے لیے ہے۔ ہم نے اِسی کو 'مردان حق' کے الفاظ سے ادا کرنے کی کوشش کی ہے۔

۴۵۔ یعنی سر ہتھیلی پر لیے ہوئے انتظار کر رہا ہے کہ کب موقع آئے اور وہ بھی اپنا عہد پورا کرے۔

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

وَيُعَذِّبَ الۡمُنٰفِقِيۡنَ اِنۡ شَآءَ اَوۡ يَتُوۡبَ عَلَيۡهِمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوۡرًا رَّحِيۡمًا ﴿۲۴﴾ۚ
وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا بِغَيۡظِهِمۡ لَمۡ يَنَالُوۡا خَيۡرًا ؕ وَكَفَى اللّٰهُ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ
الۡقِتَالَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيۡزًا ﴿۲۵﴾ۚ وَاَنۡزَلَ الَّذِيۡنَ ظَاهَرُوۡهُمۡ مِّنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ

دے اور منافقوں کو، اگر چاہے تو عذاب دے اور چاہے [۴۶] تو اُن پر عنایت فرمائے اور اُن کی توبہ قبول کرلے، (اگر وہ توبہ کریں)۔ بے شک، اللہ بخشنے والا ہے، اُس کی شفقت ابدی ہے۔ ۲۳-۲۴
(تم نے دیکھا نہیں کہ) اللہ نے منکروں کو اُسی طرح اپنا غصہ دلوں میں لیے ہوئے بالکل بے نیل مرام پھیر دیا [۴۷] اور مسلمانوں کی طرف سے اللہ ہی لڑنے کے لیے کافی ہو گیا۔ اللہ بڑی قوت والا ہے، بڑا زبردست ہے۔ اور اہل کتاب میں سے جنھوں نے اُن کی مدد کی تھی، [۴۸] اللہ

۴۶۔ آیت میں 'يَتُوۡبَ عَلَيۡهِمۡ' کے بعد بھی 'اِنۡ شَآءَ' کے الفاظ عربیت کے اسلوب پر محذوف ہیں۔ یہ اُنھی کا ترجمہ ہے۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

> ''...اِس ٹکڑے میں منافقین کے لیے دعوت استغفار ہے کہ اُن کے لیے اب بھی گنجایش باقی ہے۔ اگر وہ چاہیں تو استغفار و توبہ کے ذریعے سے پھر خدا کی رحمت کے مستحق ہو سکتے ہیں۔ ساتھ ہی یہ یاد دہانی بھی ہے کہ تمام امور کا انحصار اللہ واحد کی مشیت ہی پر ہے، اِس وجہ سے جھوٹے سہاروں پر تکیہ کرنے کے بجاے وہ اپنے آپ کو اللہ ہی کے حوالے کریں۔'' (تدبر قرآن ۶/ ۲۱۰)

۴۷۔ یعنی جس بغض و عناد میں بھرے ہوئے آئے تھے، اُسی کے ساتھ لوٹ گئے، نہ اُس کو نکالنے کا موقع ملا اور نہ کوئی دوسرا فائدہ حاصل ہوا۔ اُن کے تمام منصوبے ناکام ہو گئے اور جس طرح آئے تھے، خائب و خاسر ہو کر اُسی طرح واپس چلے گئے۔

۴۸۔ یعنی یہود بنی قریظہ، جن کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امن و صلح کا معاہدہ کر رکھا تھا، لیکن منکرین کے دل بادل لشکروں کو دیکھ کر اُنھوں نے یہ معاہدہ توڑ دیا اور یہودی لیڈر حیی بن اخطب نضری کے بہکانے سے حملہ آوروں کے ساتھ شامل ہو گئے۔ یہ چیز، ظاہر ہے کہ مسلمانوں کے لیے سخت پریشانی کا باعث بن گئی۔*

* السیرۃ النبویہ، ابن ہشام ۳/ ۲۰۰۔

مِنۡ صَیَاصِیۡہِمۡ وَقَذَفَ فِیۡ قُلُوۡبِہِمُ الرُّعۡبَ فَرِیۡقًا تَقۡتُلُوۡنَ وَتَاۡسِرُوۡنَ فَرِیۡقًا ﴿۲۶﴾
وَاَوۡرَثَکُمۡ اَرۡضَہُمۡ وَدِیَارَہُمۡ وَاَمۡوَالَہُمۡ وَاَرۡضًا لَّمۡ تَطَـُٔوۡہَا ؕ وَکَانَ اللّٰہُ عَلٰی
کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرًا ﴿۲۷﴾

اُنھیں بھی اُن کی گڑھیوں سے اتار لایا[۴۹] اور اُن کے دلوں میں اُس نے رعب ڈال دیا، اُن کے ایک گروہ کو تم قتل کر رہے تھے اور ایک گروہ کو قید کر رہے تھے۔[۵۰] اور اُن کی زمین اور اُن کے گھروں اور اُن کے اموال کا تمھیں وارث بنا دیا اور ایک ایسی زمین کا بھی جس کو تمھارے قدموں نے چھوا بھی نہیں ہے۔[۵۱] حقیقت یہ ہے کہ اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ ۲۵-۲۷

۴۹۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے احزاب کی واپسی کے بعد جب اِن کے نقض عہد اور غداری کی سزا دینے کے لیے اِن پر حملہ کیا تو یہ اپنے قلعوں میں محصور ہو گئے اور کم و بیش ۲۵ دن تک محصور رہے۔ لیکن محاصرے سے تنگ آ کر بالآخر اِنھیں اپنے قلعوں اور گڑھیوں سے نکلنا پڑا۔* یہ اُسی کا ذکر ہے۔

۵۰۔ یہ اُسی رعب کا نتیجہ بیان ہوا ہے کہ جب اِنھی کے مقرر کردہ حکم حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے اپنا فیصلہ سنایا کہ اِن کے تمام قابل جنگ افراد قتل کر دیے جائیں اور بقیہ کو قیدی بنا لیا جائے تو اِن میں سے کسی کو اِس کے خلاف چوں کرنے کی بھی جرأت نہیں ہوئی۔**

۵۱۔ یہ خیبر، مکہ اور روم و شام کی فتوحات کی بشارت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ نقد عاجل تو جو کچھ ہم نے تمھیں دیا ہے، وہ تم نے دیکھ لیا، لیکن ابھی اور زمینیں بھی ہیں، جن کی وراثت ہم نے تمھارے لیے مقدر کر رکھی ہے۔

[باقی]

* السیرۃ النبویہ، ابن ہشام ۳/ ۲۱۶۔

** السیرۃ النبویہ، ابن ہشام ۳/ ۲۱۷۔

جاوید احمد غامدی

ترجمہ و تحقیق: محمد رفیع مفتی / محسن ممتاز

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام

ــ ۱ ــ

عَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ:[۱] «اِنَّ لِيْ أَسْمَاءً أَنَا أَحْمَدُ وَأَنَا مُحَمَّدٌ وَأَنَا الْمَاحِي الَّذِي يَمْحُو اللّٰهُ بِيَ الْكُفْرَ وَأَنَا الْحَاشِرُ الَّذِي يُحْشَرُ النَّاسُ عَلَى قَدَمَيَّ، وَأَنَا الْعَاقِبُ». قَالَ مَعْمَرٌ: قُلْتُ لِلزُّهْرِي: وَمَا الْعَاقِبُ؟ قَالَ: الَّذِي لَيْسَ بَعْدَهُ نَبِيٌّ.

جبیر بن مطعم سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا کہ آپ فرمارہے تھے: میرے کچھ نام ہیں: میں احمد اور محمد ہوں،[۱] میں وہ مٹانے والا ہوں، جس کے ذریعے سے اللہ کفر کو مٹائے گا۔[۲] میں وہ حاشر ہوں، جس کے قدموں پر اِن لوگوں کو جمع کر دیا جائے گا[۳] اور میں پیچھے آنے والا ہوں۔ معمر کہتے ہیں: میں نے امام زہری سے پوچھا کہ پیچھے آنے سے کیا مراد ہے؟ اُنھوں نے جواب دیا: سب نبیوں کے بعد آنے والا نبی۔

۱۔ اِن میں سے پہلا آپ کا نام اور دوسرا لقب ہے۔

۲۔ مطلب یہ ہے کہ میرا نام تو احمد اور محمد ہی ہے، لیکن میرے ساتھ اور میرے ذریعے سے جو معاملات ہونے والے ہیں، اُن کے لحاظ سے میرا تعارف اِن الفاظ سے بھی کرایا جا سکتا ہے۔

۳۔ یہ اُسی حقیقت کا بیان ہے، جسے قرآن نے سورۂ نصر میں 'یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا' (۱۱۰: ۲) کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔

متن کے حواشی

۱۔ اِس روایت کا متن جامع معمر بن راشد، رقم ۱۹۶۵۷ سے لیا گیا ہے۔ اِس کے راوی جبیر بن مطعم ہیں۔ الفاظ کے معمولی فرق کے ساتھ اِس کے متابعات درج ذیل مصادر میں دیکھے جا سکتے ہیں:

مسند طیالسی، رقم ۹۸۴۔ مسند حمیدی، رقم ۵۵۵۔ الطبقات الکبریٰ ۱/ ۸۴۔ مسند احمد، رقم ۱۶۷۳۴، ۱۶۷۴۸، ۱۶۷۷۱۔ سنن دارمی، رقم ۲۸۱۷۔ صحیح بخاری، رقم ۳۵۳۲، ۴۸۹۶۔ صحیح مسلم، رقم ۲۳۵۴۔ سنن ترمذی، رقم ۲۸۴۰۔ الآحاد والمثانی، ابن ابی عاصم، رقم ۳۷۴۔ سنن کبریٰ، نسائی، رقم ۱۱۵۲۶۔ مسند ابی یعلیٰ، رقم ۷۳۹۵۔ تاریخ طبری ۳/ ۱۷۸، ۱۷۹۔ الکنیٰ والاسماء، دولابی، رقم ۱۔ صحیح ابن حبان، رقم ۶۳۱۳۔ مسند شامیین، طبرانی، رقم ۳۱۹۹۔ المعجم الکبیر، طبرانی، رقم ۱۵۲۰، ۱۵۲۲، ۱۵۲۴۔ مستدرک حاکم، رقم ۴۱۸۷۔

— ۲ —

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:[۱] «أَلَا تَعْجَبُوا كَيْفَ يَصْرِفُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ عَنِّي شَتْمَ قُرَيْشٍ وَلَعْنَهُمْ، يَشْتُمُونَ مُذَمَّمًا، وَيَلْعَنُونَ مُذَمَّمًا، وَأَنَا مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ».

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگو، تمھیں یہ اچھا نہیں لگتا کہ اللہ تعالیٰ نے قریش کے سب وشتم اور لعنت کو مجھ سے ہٹا دیا ہے۔ وہ

مذمم کو بُرا بھلا کہتے[1] اور اُس پر لعنت کرتے ہیں، جب کہ میں تو محمد ہوں۔[2]

۱۔ یہ اِس لیے فرمایا کہ قریش آپ کا نام بگاڑ کر آپ کو محمد کے بجاے، خاکم بدہن، مذمم کہتے تھے۔

۲۔ سبحان اللہ، یہ کیا ہی اچھی تعلیم ہے کہ دوسروں کی طرف سے سب وشتم کو بھی آپ نے اُس پہلو سے دیکھنے کی طرف توجہ دلائی، جس سے ردعمل کی نفسیات ایسے مثبت طرز عمل میں تبدیل ہو جاتی ہے، جو دلوں کے لیے باعث اطمینان ہوتا اور کسی فساد کے امکان کو پہلے مرحلے ہی میں ختم کر دیتا ہے۔

متن کے حواشی

۱۔ اِس روایت کا متن مسند حمیدی، رقم ۱۱۷۰ سے لیا گیا ہے۔ اِس کے راوی ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ الفاظ کے کچھ فرق کے ساتھ اِس کے متابعات اِن کتابوں میں نقل ہوئے ہیں:

الطبقات الکبریٰ ۱/ ۱۰٦۔ مسند احمد، رقم ۷۳۳۱، ۸۴۷۸، ۸۸۲۵۔ صحیح بخاری، رقم ۳۵۳۳۔ سنن نسائی، رقم ۳۴۳۸۔

— ۳ —

عَنْ أَبِي مُوسَى الأَشْعَرِيِّ قَالَ:[1] كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسَمِّي لَنَا نَفْسَهُ أَسْمَاءً فَقَالَ: «أَنَا مُحَمَّدٌ وَأَحْمَدُ وَالْمُقَفِّي وَالْحَاشِرُ وَنَبِيُّ التَّوْبَةِ وَنَبِيُّ الرَّحْمَةِ».

ابوموسیٰ اشعری سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے اپنے کچھ نام بیان کرتے ہوئے فرمایا: میں محمد اور احمد ہوں، میں آخر میں آنے والا ہوں، (لوگوں کو) اکٹھا کر دینے والا،[1] توبہ اور رحمت کا نبی ہوں۔[2]

۱۔ اِس کی وضاحت پیچھے ہو چکی ہے۔

۲۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مخاطبین کو جس طرح مہلت کے بعد مہلت ملی اور توبہ و استغفار کے بعد وہ جس طرح جوق در جوق دین میں داخل ہوتے رہے، یہ اُسی کی طرف اشارہ ہے۔

متن کے حواشی

۱۔ اِس روایت کا متن صحیح مسلم، رقم ۲۳۵۵ سے لیا گیا ہے۔ اِس کے راوی ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ ہیں۔ الفاظ کے کم و بیش فرق کے ساتھ اِس کے متابعات یہ ہیں:

مسند طیالسی، رقم ۴۹۲۔ الطبقات الکبریٰ ۱/ ۸۴۔ مسند احمد، رقم ۱۹۶۵۱۔ صحیح ابن حبان، رقم ۶۳۱۴۔

— ۴ —

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ:[۱] لَقِيتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي بَعْضِ طُرُقِ الْمَدِينَةِ فَقَالَ: «أَنَا مُحَمَّدٌ، وَأَنَا أَحْمَدُ، وَأَنَا نَبِيُّ الرَّحْمَةِ، وَنَبِيُّ التَّوْبَةِ، وَأَنَا الْمُقَفِّي، وَأَنَا الْحَاشِرُ، وَنَبِيُّ الْمَلَاحِمِ».

حذیفہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے، وہ کہتے ہیں: میری نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مدینے کے کسی راستے میں ملاقات ہوئی، آپ نے دوران گفتگو میں فرمایا: میں محمد اور احمد ہوں، میں توبہ و رحمت کا نبی ہوں، میں آخری ہوں، میں اِن لوگوں کو اکٹھا کر دینے والا اور جنگوں والا نبی ہوں۔[۱]

۱۔ یہ اِس لیے فرمایا کہ آپ کے منکرین کے لیے اللہ تعالیٰ کا فیصلہ آپ اور آپ کے صحابہ کی تلواروں کے ذریعے سے صادر ہوا۔ چنانچہ آپ کو اپنے دفاع کے لیے بھی ایک کے پیچھے ایک جنگ کرنا پڑی اور آخر میں اقدام کا مرحلہ آیا تو اُس میں بھی جنگ ہی کا الٹی میٹم دیا گیا۔

متن کے حواشی

۱۔ اِس روایت کا متن شمائل ترمذی، رقم ۳۶۸ سے لیا گیا ہے۔ اِس کے راوی حذیفہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ الفاظ

کے کچھ فرق کے ساتھ اِس کے متابعات درج ذیل مصادر میں منقول ہیں:

الطبقات الکبریٰ ۱/ ۸۴۔ مصنف ابن ابی شیبہ، رقم ۳۱۶۹۲۔ مسند احمد، رقم ۲۳۴۴۳۔

المصادر والمراجع

ابن أبي حاتم عبد الرحمٰن الرازي. (۱٤۲۷ھ/۲۰۰٦ م). **العلل**. ط ۱. تحقيق: فريق من الباحثين بإشراف وعناية د/ سعد بن عبد الله الحميد و د/ خالد بن عبد الرحمٰن الجريسي. الرياض: مطابع الحميضي.

ابن أبي حاتم عبد الرحمٰن الحنظلي. (۱۲۷۱ھ/۱۹۵۲م). **الجرح والتعديل**. ط ۱. حيدر آباد الدكن. الهند: طبعة مجلس دائرة المعارف العثمانية. بيروت: دار إحياء التراث العربي.

ابن أبي شيبة عبد الله بن محمد العبسي. (۱٤۰۹ھ). **الكتاب المصنف في الأحاديث والآثار**. ط ۱. تحقيق: كمال يوسف الحوت. الرياض: مكتبة الرشد.

ابن أبي عاصم أحمد بن عمرو الشيباني. (۱٤۱۱ھ/۱۹۹۱م). **الآحاد والمثاني**. ط۱. تحقيق: د. باسم فيصل أحمد الجوابرة. الرياض: دار الراية.

ابن حبان محمد بن حبان. (۱٤۲۰ھ/۲۰۰۰م). **المجروحين من المحدثين**. ط۱. تحقيق: حمدي بن عبد المجيد السلفي. دار السميعي.

إبن حبان، محمد بن حبان. (۱٤۱٤ھ/۱۹۹۳م). **صحيح ابن حبان**. ط۲. تحقيق: شعيب الأرنؤوط. بيروت: مؤسسة الرسالة.

ابن حجر أحمد بن علي العسقلاني. (۱٤۱۷ھ/۱۹۹۷م). **تحرير تقريب التهذيب**. ط ۱. تاليف: الدكتور بشار عواد معروف، الشيخ شعيب الأرنؤوط. بيروت: لبنان. مؤسسة الرسالة للطباعة والنشر والتوزيع.

ابن حجر أحمد بن علي العسقلاني. (۱٤۰۳ھ/۱۹۸۳م). **طبقات المدلسين**. ط ۱. تحقيق: د. عاصم بن عبدالله القريوتي. عمان: مكتبة المنار.

ابن حجر أحمد بن علي العسقلاني. (۱٤۰٦ھ/۱۹۸٦م). **لسان الميزان**. ط ۳. تحقيق: دائرة المعرف النظامية الهند. بيروت: مؤسسة الأعلمي للمطبوعات.

ابن حجر أحمد بن علي العسقلاني. (۱٤۰٤ھ/۱۹۸٤م). **النكت على كتاب ابن الصلاح**. ط ۱.

تحقيق: ربيع بن هادي المدخلي. المدينة المنورة، المملكة العربية السعودية: عمادة البحث العلمي بالجامعة الإسلامية.

ابن رجب عبد الرحمٰن السَلامي الحنبلي. (١٤٠٧هـ/١٩٨٧م). **شرح علل الترمذي**. ط١. تحقيق: الدكتور همام عبد الرحيم سعيد. الأردن: مكتبة المنار (الزرقاء).

ابن سعد محمد بن سعد الهاشمي. (١٤٠٨هـ). **الطبقات الكبرى**. ط ٢.تحقيق:زياد محمد منصور. المدينة المنورة: مكتبة العلوم والحكم.

ابن الكيال محمد بن احمد. (١٤٢٠هـ/١٩٩٩م). **الكواكب النيرات**. ط ٢. تحقيق: عبدالقيوم عبد رب النبي. مكة مكرمة: المكتبة الامدادية.

ابن المِبْرَد يوسف بن حسن الحنبلي. (١٤١٣هـ/١٩٩٢م). **بحر الدم فيمن تكلم فيه الإمام أحمد بمدح أو ذم**. ط ١. تحقيق وتعليق: الدكتورة روحية عبد الرحمٰن السويفي. لبنان، بيروت: دار الكتب العلمية.

ابن المديني علي بن عبد الله السعدي. (١٩٨٠م). **العلل**. ط ٢. تحقيق: محمد مصطفى الأعظمي. بيروت: المكتب الإسلامي.

ابن معين يحيى بن معين البغدادي. (١٣٩٩هـ/١٩٧٩م). **تاريخ ابن معين**. ط ١. تحقيق: د. أحمد محمد نور سيف. مكة المكرمة: مركز البحث العلمي وإحياء التراث الإسلامي.

أبو اسحاق الحويني. (١٤٣٣هـ/٢٠١٢م). **نثل النبال بمعجم الرجال**. ط ١. جمعه ورتبه: أبو عمرو أحمد بن عطية الوكيل. مصر: دار ابن عباس.

أبو داود سليمان بن الأشعث السَّجِسْتاني. (١٤٠٣هـ/١٩٨٣م). **سؤالات أبي عبيد الآجري أبا داود السجستاني في الجرح والتعديل**. ط ١. تحقيق: محمد علي قاسم العمري. المدينة المنورة: عمادة البحث العلمي بالجامعة الإسلامية.

أبو يعلى أحمد بن علي التميمي الموصلي. (١٤٠٤هـ/١٩٨٤م). **مسند أبي يعلى**. ط ١. تحقيق: حسين سليم أسد. دمشق: دار المأمون للتراث.

أحمد بن محمد بن حنبل الشيباني. (١٤٢٢هـ/٢٠٠١م). **العلل و معرفة الرجال**. ط ٢. تحقيق و تخريج: د وصي الله بن محمد عباس. الرياض: دار الخاني فرقد فريد الخاني.

أحمد بن محمد بن حنبل الشيباني. (١٤٠٨هـ/١٩٨٨م). **العلل و معرفة الرجال**. ط ١. تحقيق و تخريج:

د وصي الله بن محمد عباس. بيروت: المكتب الإسلامي. الرياض: دار الخاني.

أحمد بن محمد بن حنبل الشيباني. (١٤١٦هـ/١٩٩٥م). **مسند الإمام أحمد بن حنبل** .ط ١. تحقيق: شعيب الأرنؤوط – عادل مرشد، وآخرون. إشراف: د عبد الله بن عبد المحسن التركي. بيروت: مؤسسة الرسالة.

البخاري محمد بن إسماعيل الجعفي.(١٤٢٢هـ). **الجامع الصحيح**. ط١. تحقيق: زهير الناصر. بيروت: دار طوق النجاة.

البخاري محمد بن إسماعيل الجعفي. (٢٠٠٩م). **التاريخ الكبير**. تحقيق: السيد هاشم الندوي. بيروت. دار الفكر.

البخاري محمد بن إسماعيل الجعفي. (١٣٩٧هـ/١٩٧٧م). **التاريخ الأوسط**. ط ١. حلب. القاهرة. دار الوعي مكتبة دار التراث.

الترمذي محمد بن عيسى. (١٤١٣هـ/١٩٩٣م). **الشمائل المحمدية والخصائل المصطفوية**. ط١. المحقق: سيد بن عباس الجليمي. مكة المكرمة: المكتبة التجارية، مصطفى أحمد الباز.

الترمذي محمد بن عيسى.(١٣٩٥هـ/١٩٧٥م). **سنن الترمذي**. ط ٢. تحقيق وتعليق: أحمد محمد شاكر (ج١، ٢) ومحمد فؤاد عبد الباقي (ج٣) وإبراهيم عطوة عوض المدرس في الأزهر الشريف (ج٤، ٥). مصر: شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابي الحلبي.

ابن عدي عبدالله بن عدي الجرجاني. (١٤١٨هـ/١٩٩٧م). **الكامل في ضعفاء الرجال**. ط ١. تحقيق: عادل أحمد عبد الموجود، علي محمد معوض. بيروت: الكتب العلمية.

الحاكم محمد بن عبد الله النيسابوري. (١٤١١هـ/١٩٩٠م). **المستدرك على الصحيحين**. ط١. تحقيق: مصطفى عبد القادر عطا. بيروت: دار الكتب العلمية.

الحميدي عبد الله بن الزبير القرشي. (١٩٩٦م). **المسند**. ط١. تحقيق وتخريج: حسن سليم أسد الداراني. دمشق: دار السقا.

خالد الرباط سيد عزت عيد. (١٤٣٠هـ/٢٠٠٩م). **الجامع لعلوم الإمام أحمد (الأدب والزهد)**. ط١. مصر: دار الفلاح للبحث العلمي وتحقيق التراث.

الدارقطني علي بن عمر. (١٤٠٥هـ/١٩٨٥م). **العلل الواردة في الأحاديث النبوية**. ط ١. تحقيق وتخريج:

محفوظ الرحمٰن زين الله السلفي. الرياض. دار طيبة.

الدارمي عبد الله بن عبد الرحمٰن. (١٤١٢ھ/٢٠٠٠م). **مسند الدارمي المعروف بـ (سنن الدارمي)**. ط ١.
تحقيق: حسين سليم أسد الداراني. المملكة العربية السعودية: دار المغني للنشر والتوزيع.

الدولابي محمد بن أحمد الرازي. (١٤٢١ھ/٢٠٠٠م). **الكنى والأسماء**. ط١. تحقيق: أبو قتيبة نظر محمد الفاريابى. بيروت: دار ابن حزم.

الذهبي محمد بن أحمد. (١٤١٣ھ/١٩٩٢م). **الكاشف في معرفة من له رواية في الكتب الستة**. ط١.
تعليق: امام برهان الدين أبي الوفاء إبراهيم بن محمد. جدة: دار القبلة للثقافة الاسلامية، مؤسسة علوم القرآن.

الذهبي محمد بن أحمد. (١٣٨٧ھ/١٩٦٧م). **ديوان الضعفاء والمتروكين**. ط ٢. تحقيق: حماد بن محمد الانصاري. مكة: مكتبة النهضة الحديثة.

سبط ابن العجمي برهان الدين الحلبي. (١٩٨٨م). **الاغتباط بمن رمي من الرواة بالاختلاط**. ط ١.
تحقيق: علاء الدين علي رضا. القاهرة. دار الحديث.

سبط ابن العجمي برهان الدين الحلبي. (١٩٨٦م). **التبيين لأسماء المدلسين**. ط ١. تحقيق: يحي شفيق حسن. بيروت. دار الكتب العلمية.

سبط ابن العجمي برهان الدين الحلبي. (١٤٠٧ھ/١٩٨٧م). **الكشف الحثيث عمن رمي بوضع الحديث**.
ط ١. المحقق: صبحي السامرائي. بيروت. عالم الكتب، مكتبة النهضة العربية.

الطبراني سليمان بن أحمد الشامي. (١٤٠٥ھ/١٩٨٤م). **مسند الشاميين**. ط١. تحقيق: حمدي بن عبدالمجيد السلفي. بيروت: مؤسسة الرسالة.

الطبراني سليمان بن أحمد الشامي. (١٤١٥ھ/١٩٩٤م). **المعجم الكبير**. ط ١. تحقيق: حمدي بن عبد المجيد السلفي. القاهرة: مكتبة ابن تيمية.

الطبري محمد بن جرير الآملي. (١٣٨٧ھ/١٩٦٧م). **تاريخ الامم والملوك المعروف ب تاريخ الطبري**.
ط ٢. تحقيق: محمد أبو الفضل إبراهيم. بيروت: دار التراث.

الطيالسي سليمان بن داود البصرى. (١٤١٩ھ/١٩٩٩م). **مسند أبي داود الطيالسي**. ط ١. تحقيق: الدكتور محمد بن عبد المحسن التركي. مصر: دار هجر.

العجلي أحمد بن عبد الله. (١٤٠٥هـ/١٩٨٥م). **معرفة الثقات**. ط ١. تحقيق: عبد العليم عبد العظيم البستوي. المدينة المنورة. مكتبة الدار.

ابو الحسين مسلم بن الحجاج القشيري. (د.ت). **الجامع الصحيح**. د.ط. تحقيق: محمد فؤاد عبد الباقي. بيروت: دار إحياء التراث العربي.

معمر بن راشد الأزدي. (١٤٠٣هـ). **الجامع معمر بن راشد**. ط ٢. تحقيق: حبيب الرحمٰن الأعظمي. باكستان: المجلس العلمي. بيروت: توزيع المكتب الإسلامي.

مغلطاي علاء الدين بن قليج. (١٤٢٢هـ/٢٠٠١ م). **إكمال تهذيب الكمال في أسماء الرجال**. ط ١. تحقيق: أبو عبد الرحمٰن عادل بن محمد، أبو محمد أسامة بن إبراهيم. القاهرة: الفاروق الحديثة للطباعة والنشر.

النسائي أحمد بن شعيب. (١٤٠٧هـ/١٩٨٧م). **السنن الصغرى**. ط٢. تحقيق: عبد الفتاح أبو غدة. حلب: مكتب المطبوعات الإسلامية.

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

جاوید احمد غامدی

ترجمہ و تحقیق: محمد حسن الیاس

خواب کی حقیقت

۱

حَدَّثَنِي أَبُو قَتَادَةَ،[۱] أَنَّهُ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: «الرُّؤْيَا [الصَّالِحَةُ][۲] مِنَ اللّٰهِ، [فَإِنَّهَا بُشْرَى][۳]، [فَإِذَا رَأَى أَحَدُكُمْ مَا يُحِبُّ فَلَا يُحَدِّثْ بِهِ إِلاَّ مَنْ يُحِبُّ]،[۴] وَالْحُلْمُ مِنَ الشَّيْطَانِ، فَإِذَا حَلَمَ أَحَدُكُمْ شَيْئًا يَكْرَهُهُ [وَلاَ يُحَدِّثْ بِهَا أَحَدًا][۵] فَلْيَبْصُقْ[۶] عَنْ شِمَالِهِ[۷] ثَلاثَ نَفَثَاتٍ [إِذَا اسْتَيْقَظَ]،[۸] وَلْيَسْتَعِذْ مِنَ الشَّيْطَانِ،[۹] فَإِنَّهُ لا يَضُرُّهُ».[۱۰]

ابو قتادہ بیان کرتے ہیں کہ اُنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا کہ آپ نے فرمایا: اچھا خواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، لٰہذا اُس میں بشارت ہوتی ہے۔ سو تم میں سے کوئی شخص جب ایسی چیز خواب میں دیکھے جو اُسے اچھی لگ رہی ہو تو اُس کا ذکر صرف اُسی سے کرے جو اُسے عزیز

ہو۔[1] اِسی طرح براخواب شیطان کی طرف سے ہے۔ چنانچہ تم میں سے کوئی شخص جب ایسی چیز خواب میں دیکھے جواُسے بری لگ رہی ہو تواُس کا ذکر کسی سے نہ کرے۔ تاہم اٹھنے کے بعد شیطان کے شر سے پناہ مانگتے ہوئے تین مرتبہ اپنے بائیں جانب تھوتھو کر دے،[2] اور مطمئن رہے، وہ اُس کو کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔

۱۔ یہ اِس لیے فرمایا کہ انسان حسد کے شر سے محفوظ رہے، اُسے کوئی اچھی تاویل سننے کو ملے اور اِس طرح کے موقعوں پر اُس سے محبت کرنے والوں کی دعائیں اُس کے شامل حال رہیں۔

۲۔ یہ ایک نفسیاتی تدبیر ہے۔ اِس طرح کے خواب سے جو اثرات انسان کے ذہن پر ہو سکتے ہیں، اُن سے نجات کے لیے اِس نوعیت کی تدابیر بہت موثر ہوتی ہیں۔ اِن کا ماخذ انسانی تجربات ہی ہوتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہ بات اِسی حیثیت سے فرمائی ہے۔ اِسے دین کا کوئی حکم نہیں سمجھنا چاہیے۔

www.javedahmadghamidi.com

متن کے حواشی

۱۔ اِس روایت کا متن اصلاً جامع معمر بن راشد، رقم ۹۶۵ سے لیا گیا ہے۔ اِس کے راوی ابو قتادہ انصاری کے نام سے معروف حارث بن ربعی رضی اللہ عنہ ہیں۔ اُن سے یہ روایت درج ذیل مصادر میں نقل ہوئی ہے:

جامع معمر بن راشد، رقم ۹۶۵۔ موطاامام مالک، رقم ۸۱۰، ۱۱۰۹، ۱۷۲۰۔ مسند طیالسی، رقم ۶۳۰۔ مسند حمیدی، رقم ۴۰۹، ۴۱۰۔ مسند ابن الجعد، رقم ۱۳۴۸۔ مصنف ابن ابی شیبہ، رقم ۲۸۹۶۷، ۲۹۹۰۲۔ مسند احمد، رقم ۲۱۹۳۵، ۲۱۹۶۹، ۲۱۹۸۵، ۲۱۹۹۵، ۲۲۰۰۱، ۲۲۰۳۴، ۲۲۰۴۱۔ سنن دارمی، رقم ۲۰۷۷، ۲۰۷۸۔ صحیح بخاری، رقم ۳۰۹۶، ۵۳۳۳، ۶۴۹۷، ۶۴۹۹، ۶۵۰۸، ۶۵۱۶، ۶۵۴۹۔ صحیح مسلم، رقم ۴۲۰۲، ۴۲۰۳، ۴۲۰۴، ۴۲۰۵۔ سنن ابی داؤد، رقم ۴۳۶۸، ۴۳۶۹۔ سنن ابن ماجہ، رقم ۳۹۰۷۔ السنن الکبریٰ، نسائی، رقم ۷۳۲۳، ۷۳۵۰، ۱۰۲۴۴، ۱۰۲۴۵، ۱۰۲۴۶، ۱۰۲۴۷، ۱۰۲۴۹، ۱۰۲۵۰، ۱۰۲۵۸۔ صحیح ابن حبان، رقم ۶۱۹۲، ۶۱۹۳۔

۲۔ موطاامام مالک، رقم ۱۷۲۰۔

۳۔ مسند طیالسی، رقم ۶۳۰۔ سنن دارمی، رقم ۲۰۷۸ میں یہاں یہ اضافہ نقل ہوا ہے: 'فَإِذَا رَأَى أَحَدُكُمْ مَا يُحِبُّ، فَلْيَحْمَدِ اللّٰهَ'، یعنی تم میں سے کوئی ایسا خواب دیکھے جو اُسے پسند ہو تو اِس پر اللہ کا شکر ادا کرے۔

۴۔ صحیح بخاری، رقم ۶۵۴۹۔ سنن دارمی، رقم ۷۷۰ میں 'وَالْحُلْمُ مِنَ الشَّيْطَانِ' کے بجاے 'حُلْمًا يَخَافُهُ'، کے الفاظ ہیں، یعنی ایسا کوئی خواب، جس سے اُسے خوف محسوس ہو۔ السنن الکبریٰ، نسائی، رقم ۱۰۲۵۸ میں یہی بات اِس طرح نقل ہوئی ہے: 'فَإِذَا رَأَى أَحَدُكُمُ الشَّيْءَ يُعْجِبُهُ فَلْيَعْرِضْهُ عَلَى ذِي رَأْيٍ نَاصِحٍ، فَلْيَتَأَوَّلْ خَيْرًا وَلْيَقُلْ خَيْرًا'، یعنی تم میں سے کوئی ایسی چیز دیکھے جو اُسے اچھی لگے تو اُسے چاہیے کہ کسی خیر خواہ مدبر کے سامنے پیش کرے تاکہ وہ اُس کے لیے بہتر تاویل کرے اور اچھی بات کہے۔ اِسی طرح سنن ابی داؤد، رقم ۴۳۶۸ میں 'وَلَا تَقُصَّهَا إِلَّا عَلَى وَادٍّ أَوْ ذِي رَأْيٍ' نقل ہوا ہے، یعنی تم خواب کو اُسی شخص سے بیان کرو، جس سے تمھاری محبت اور دوستی ہو، یا وہ صاحب عقل ہو۔

۵۔ صحیح بخاری، رقم ۶۵۴۹۔

۶۔ موطا امام مالک، رقم ۸۱۰ میں 'فَلْيَبْصُقْ' کی جگہ یہاں 'فَلْيَنْفُثْ' نقل ہوا ہے۔ اِسی طرح مسند احمد، رقم ۲۱۹۳۵ میں 'فلْيَتْفُلْ' منقول ہے۔ اِن سب کے معنی ایک ہی ہیں۔

۷۔ مسند طیالسی، رقم ۶۳۰ میں شمال کے بجاے 'عَنْ يَسَارِهِ ثَلَاثًا' کے الفاظ نقل ہوئے ہیں، یعنی بائیں جانب تین مرتبہ۔

۸۔ موطا امام مالک، رقم ۸۱۰۔

۹۔ موطا امام مالک، رقم ۱۱۰۹ میں اِس جگہ 'وَلْيَتَعَوَّذْ بِاللّٰهِ مِنْ شَرِّهَا' کے الفاظ ہیں، یعنی شیطان کے شر سے اللہ کی پناہ مانگے۔

۱۰۔ موطا امام مالک، رقم ۱۱۰۹ میں 'فَإِنَّهَا لَنْ تَضُرَّهُ، إِنْ شَاءَ اللّٰهُ' منقول ہے، یعنی اِس طرح، اگر اللہ نے چاہا تو شیطان اُسے نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔

بعض روایات میں ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے اِس روایت کا پس منظر بھی نقل ہوا ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری، رقم ۶۵۴۹ میں ابو سلمہ کا بیان ہے کہ وہ برے خواب دیکھتے اور اِن کی وجہ سے پریشان ہو کر بیمار ہو جایا کرتے تھے۔ پھر ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نے اُنھیں بتایا کہ وہ بھی ایسے خواب دیکھ کر بیمار پڑ جایا کرتے تھے، یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بات اُن کے علم میں آگئی۔ اِسی طرح بعض روایات میں روایت کے خاتمے پر ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کا یہ تبصرہ بھی نقل ہوا ہے کہ پہلے بعض خواب مجھ پر پہاڑ سے بھی زیادہ بھاری ہوتے تھے، لیکن جب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بات میں نے سنی اور اُس پر عمل کیا ہے، اب مجھے اِن خوابوں کی کوئی

پروا نہیں ہوتی۔ ملاحظہ ہو: صحیح بخاری، رقم ۵۳۳۳۔

— ۲ —

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ،[1] أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «رُؤْيَا الْمُؤْمِنِ[2] جُزْءٌ مِنْ سِتَّةٍ وَأَرْبَعِينَ[3] جُزْءًا مِنَ النُّبُوَّةِ».[4]

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مومن کا خواب نبوت کے چھیالیس حصوں میں سے ایک حصہ ہے۔[1]

۱۔ نبوت کی حقیقت مخاطبۂ الٰہی ہے۔ سچا خواب اِسی کی ایک صورت ہے۔ انبیا علیہم السلام کو ماضی، حال اور مستقبل کے بعض حقائق اِسی ذریعے سے دکھائے جاتے ہیں۔ اِسرا کا رؤیا اِس کی ایک نمایاں مثال ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اِسی لحاظ سے وضاحت فرمائی ہے کہ بندۂ مومن کے سچے خواب کو نبوت کے مقابل میں رکھ کر دیکھیے تو یہ اُس کے چھیالیس حصوں میں سے محض ایک حصہ ہے۔ تاہم یہ ہے اُسی کا حصہ، اور اِس لحاظ سے بندوں پر اللہ کی بڑی عنایت ہے۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

متن کے حواشی

۱۔ اِس روایت کا متن صحیح بخاری، رقم ۶۵۰۱ سے لیا گیا ہے۔ اِس کے راوی ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ اُن سے یہ روایت درج ذیل کتابوں میں نقل ہوئی ہے:

صحیفہ ہمام بن منبہ، رقم ۴۹۔ جامع معمر بن راشد، رقم ۹۶۴، ۹۶۷۔ مسند طیالسی، رقم ۲۱۷۱۔ موطا امام مالک، رقم ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸۔ مسند ابن جعد، رقم ۱۴۵۲۔ مصنف ابن ابی شیبہ، رقم ۲۹۸۵۹، ۲۹۸۶۰، ۲۹۸۶۱، ۲۹۸۷۱۔ مسند احمد، رقم ۷۰۱۰، ۷۴۵۷، ۷۴۵۸، ۷۹۶۲، ۸۱۱۲، ۸۳۰۲، ۸۶۱۹، ۹۴۴۲، ۱۰۲۰۹، ۱۵۸۴۲، ۱۵۸۴۳، ۱۵۸۵۱، ۱۵۸۵۵، ۱۵۸۶۵۔ سنن دارمی، رقم ۲۹۸۴۔ صحیح بخاری، رقم ۶۵۰۳۔ صحیح مسلم، رقم ۴۲۰۹، ۴۲۱۰، ۴۲۱۱۔ سنن ترمذی، رقم ۲۲۰۹، ۲۲۱۰، ۲۲۲۵۔ سنن ابی داؤد، رقم ۴۳۶۸۔ سنن ابن ماجہ، رقم ۳۸۹۲، ۳۹۱۲۔ مسند بزار، رقم ۹۱۱۷۔ السنن الکبریٰ، نسائی، رقم ۱۰۲۵۳۔ مسند ابی یعلیٰ، رقم ۶۶۵۔ مشکل الآثار،

طحاوی، رقم ۱۸۱۸، ۱۸۱۹، ۱۸۲۰۔ صحیح ابن حبان، رقم ۶۱۸۲۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ یہی مضمون عبادہ بن صامت، ابوسعید خدری، عبد اللہ بن عباس، عبد اللہ بن مسعود، انس بن مالک، لقیط بن عامر، عبد اللہ بن عمر اور جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہم سے بھی نقل ہوا ہے۔ اُن سے یہ روایات درج ذیل کتابوں میں دیکھ لی جا سکتی ہیں:

موطا امام مالک، رقم ۱۷۱۷۔ مسند طیالسی، رقم ۵۷۱۔ مسند ابن جعد، رقم ۱۱۷۷۔ مصنف ابن ابی شیبہ، رقم ۴۵۳۹، ۴۹۵۹، ۵۸۶۹، ۶۰۴۶، ۲۹۸۶۵، ۲۹۸۶۹۔ مسند احمد، رقم ۱۲، ۶۸۶، ۱۱۸۱۴، ۱۲۰۴۴، ۱۲۲۵۱، ۱۲۲۷۰، ۱۲۶۸۶، ۲۲۰۸۸، ۲۲۰۸۹، ۲۲۱۱۳، ۲۲۱۵۴۔ سنن دارمی، رقم ۲۰۷۳۔ صحیح بخاری، رقم ۶۴۹۶، ۶۵۰۰، ۶۵۰۲۔ صحیح مسلم، رقم ۴۲۰۸، ۴۲۱۲۔ سنن ترمذی، رقم ۲۲۰۲، ۲۲۰۳۔ سنن ابن ماجہ، رقم ۳۸۹۱، ۳۸۹۳۔ سنن ابی داؤد، رقم ۴۳۶۶۔ مسند بزار، رقم ۱۱۸۰، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۲۳۵۰، ۲۳۵۱، ۲۴۰۴۔ السنن الکبریٰ، نسائی، رقم ۷۳۲۰، ۷۳۲۱، ۷۳۲۲۔ مسند ابی یعلیٰ، رقم ۱۳۵۴، ۳۱۹۰، ۳۳۷۶، ۳۷۰۳، ۳۷۶۰، ۳۸۹۲۔ مشکل الآثار، طحاوی، رقم ۱۸۱۷۔ صحیح ابن حبان، رقم ۶۱۷۷۔ مستدرک حاکم، رقم ۸۲۴۸۔

۲۔ بعض روایات میں ”رُؤْيَا الْمُؤْمِنِ‘ کے بجائے ’الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ‘، یعنی اچھا خواب نقل ہوا ہے۔ ملاحظہ ہو: مسند ربیع بن حبیب، رقم ۵۲۔ اِسی طرح بعض روایات میں ’رُؤْيَا الرَّجُلِ الصَّالِحِ‘ اور ’رُؤْيَا الْمُسْلِمِ‘ کے الفاظ منقول ہیں، یعنی مسلمان یا مومن کا خواب۔ دیکھیے: صحیح مسلم، رقم ۴۲۰۹ اور مسند احمد، رقم ۱۰۲۰۹۔ صحیح مسلم، رقم ۴۲۱۰ میں یہاں ’رُؤْيَا الْمُسْلِمِ يَرَاهَا أَوْ تُرَى لَهُ‘ کا اضافہ روایت کیا گیا ہے۔ یعنی وہ خواب جو مسلمان دیکھتا ہے یا اُس کے لیے کسی اور کو دکھایا جاتا ہے۔

۳۔ مسند احمد، رقم ۸۳۰۲ میں اِس جگہ ’مِنْ سِتَّةٍ وَأَرْبَعِينَ‘ کے بجائے ’سَبْعِينَ جُزْءًا مِنَ النُّبُوَّةِ‘ کے الفاظ منقول ہیں، یعنی ستر اجزاے نبوت میں سے۔ مصنف ابن ابی شیبہ، رقم ۲۹۸۷۱ میں بھی ’سَبْعِينَ‘ ہی نقل ہوا ہے۔ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت میں ’خَمْسَةٍ وَأَرْبَعِينَ‘ ”پینتالیسواں حصہ“ کے الفاظ آئے ہیں۔ ملاحظہ ہو: مسند ابی یعلیٰ، رقم ۱۳۵۴۔ مسند بزار، رقم ۱۱۸۰ میں عبد اللہ بن عباس کی روایت سے ’خَمْسِينَ جُزْءًا مِنَ النُّبُوَّةِ‘ نقل ہوا ہے، یعنی پچاس اجزاے نبوت میں سے۔ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں بھی ’خَمْسِينَ‘ کا عدد منقول ہے۔ ملاحظہ ہو: مصنف ابن ابی شیبہ، رقم ۲۹۸۶۹۔ مسند ابی یعلیٰ، رقم ۶۶۲۵ میں اُنھی کی روایت سے ’أَرْبَعِينَ جُزْءًا‘ ”چالیسواں حصہ“ نقل ہوا ہے۔ یہی معاملہ لقیط بن عامر رضی اللہ عنہ کی روایات کا ہے۔ مثال کے طور پر دیکھیے: مسند طیالسی، رقم ۱۱۷۲۔

۴۔ لقیط بن عامر رضی اللہ عنہ کی روایت میں اِس جگہ یہ اضافہ نقل ہوا ہے: الرُّؤْيَا عَلَى رِجْلِ طَائِرٍ مَا لَمْ تُعْبَرْ، فَإِذَا عُبِرَتْ وَقَعَتْ ''خواب کی جب تک تعبیر نہ بیان کی جائے، وہ اڑتی ہوئی خبر ہی ہوتا ہے، پھر جب تعبیر بیان کر دی جاتی ہے تو وہ واقعہ بن جاتا ہے''۔ ملاحظہ ہو: سنن ابن ماجہ، رقم ۳۹۱۲۔ صحیح مسلم، رقم ۴۲۰۷ میں، البتہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے یہاں 'إِذَا اقْتَرَبَ الزَّمَانُ لَمْ تَكَدْ رُؤْيَا الْمُسْلِمِ تَكْذِبُ، وَأَصْدَقُكُمْ رُؤْيَا أَصْدَقُكُمْ حَدِيثًا' کا اضافہ منقول ہے، یعنی جب قیامت کا زمانہ قریب آجائے گا تو مومن کے خواب کم ہی جھوٹے ہوں گے۔ اِن میں سب سے زیادہ سچے خواب والا وہ ہو گا، جس کی باتیں زیادہ سچی ہوں گی۔ سنن ترمذی، رقم ۲۲۰۱ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت سے یہ اضافہ بھی روایت کیا گیا ہے: 'وَأُحِبُّ الْقَيْدَ فِي النَّوْمِ وَأَكْرَهُ الْغُلَّ، الْقَيْدُ ثَبَاتٌ فِي الدِّينِ' ''خواب میں قید، یعنی پیر میں بیڑی پہنے دیکھنا پسند کرتا ہوں، لیکن طوق کو پسند نہیں کرتا۔ اِس میں قید سے مراد دین پر ثابت قدمی ہے''۔

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

۳

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ،[1] عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «الرُّؤْيَا ثَلَاثٌ، فَالْبُشْرَى مِنَ اللّٰهِ،[2] وَحَدِيثُ النَّفْسِ،[3] وَتَخْوِيفٌ مِنَ الشَّيْطَانِ،[4] فَإِذَا رَأَى أَحَدُكُمْ رُؤْيَا تُعْجِبُهُ فَلْيَقُصَّهَا إِنْ شَاءَ، وَإِذَا رَأَى شَيْئًا يَكْرَهُهُ فَلَا يَقُصَّهُ عَلَى أَحَدٍ وَلْيَقُمْ يُصَلِّي»[5].

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خواب تین قسم کے ہوتے ہیں: اللہ کی طرف سے خوش خبری، نفس انسانی کے مکالمات[1] اور شیطان کے ڈراوے۔[2] پھر تم میں سے کوئی اچھا خواب دیکھے تو اُسے، اگر چاہے تو بیان کر سکتا ہے، لیکن کوئی ایسا خواب دیکھے جو اُسے اچھا نہ لگے تو کسی سے بیان نہ کرے،[3] بلکہ اٹھ کر نماز پڑھے۔[4]

۱۔ زیادہ تر خواب یہی ہوتے ہیں۔ چنانچہ نفس انسان پر گزرنے والے احوال، اُس کے ذہن پر طاری رہنے

والے خیالات اور اُس کی آرزوؤں اور تمناؤں کو اِس طرح کے خوابوں میں ممثّل کر کے اُسی کے سامنے پیش کر دیتا ہے۔

۲۔ اِس لیے کہ اِسی طرح کے خواب ہیں، جن سے دیکھنے والوں میں یاس پیدا کی جا سکتی ہے، جو خلق اور خالق، دونوں سے انسان کو بتدریج بے تعلق کرتی اور بالآخر تباہی کے گڑھے تک پہنچا دیتی ہے۔

۳۔ یہ اِس لیے فرمایا کہ سننے والوں کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ اپنی حماقت سے اِس کے برے تاثر کو کہاں سے کہاں پہنچا دیں گے۔

۴۔ یہی ہدایت قرآن میں بھی کی گئی ہے کہ پریشانی کے ہر موقع پر اللہ ہی سے اور نماز کے ذریعے سے مدد مانگنی چاہیے۔

متن کے حواشی

۱۔ اِس روایت کا متن مصنف ابن ابی شیبہ، رقم ۲۹۹۱۷ سے لیا گیا ہے۔ اِس کے راوی ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ اُن سے یہ روایت درج ذیل کتابوں میں نقل ہوئی ہے:

مصنف ابن ابی شیبہ، رقم ۲۹۹۲۱۔ مسند اسحاق، رقم ۴۱۵۔ مسند احمد، رقم ۸۹۲۲۔ سنن دارمی، رقم ۲۰۷۹۔ سنن ترمذی، رقم ۲۲۱۱۔ سنن ابن ماجہ، رقم ۳۹۰۴۔ السنن الکبریٰ، نسائی، رقم ۷۳۴۹، ۱۰۲۵۱، ۱۰۲۵۲، ۱۰۲۵۹۔ المعجم الاوسط، طبرانی، رقم ۴۰۳۔ مسند شامیین، طبرانی، رقم ۲۶۱۶۔

یہی روایت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ اور عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے۔ اُن سے اِس کے مصادر یہ ہیں:

مصنف ابن ابی شیبہ، رقم ۱۴۵۶۳، ۲۹۹۱۶۔ سنن ابن ماجہ، رقم ۳۹۰۵۔ مشکل الآثار، طحاوی، رقم ۱۸۲۱۔ صحیح ابن حبان، رقم ۶۱۷۶۔ المعجم الکبیر، طبرانی، رقم ۱۴۵۶۳۔ المعجم الاوسط، طبرانی، رقم ۶۹۱۷۔

۲۔ سنن دارمی، رقم ۲۰۷۹ میں اِس جگہ 'فَالْبُشْرَی مِنَ اللّٰهِ' کے بجاے 'الرُّؤْيَا الْحَسَنَةُ' کے الفاظ آئے ہیں، یعنی اچھا خواب۔ سنن ترمذی، رقم ۲۲۱۱ میں اِس جگہ 'فَرُؤْيَا حَقٌّ' "سچا خواب" کے الفاظ آئے ہیں۔

۳۔ السنن الکبریٰ، نسائی، رقم ۱۰۲۵۲ میں 'وَالشَّيْءُ يُحَدِّثُ بِهِ الإِنْسَانُ فَيَرَاهُ فِي مَنَامِهِ' کے الفاظ نقل ہوئے ہیں، یعنی ایسی چیز جس کے بارے میں انسان گفتگو کرتا ہے، نیند میں وہی دیکھ لیتا ہے۔ سنن ابن ماجہ،

رقم ۳۹۰۵ میں عوف بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت سے یہ بات اِس اسلوب میں نقل ہوئی ہے: 'وَمِنْهَا مَا يَهُمُّ بِهِ الرَّجُلُ فِي يَقَظَتِهِ فَيَرَاهُ فِي مَنَامِهِ'، 'یعنی اُن میں سے بعض ایسے ہوتے ہیں کہ انسان بیداری کی حالت میں جو کچھ ارادے کرتا ہے، وہی کچھ خواب میں نظر آجاتا ہے۔

۴۔ سنن دارمی، رقم ۲۰۷۹ میں اِس جگہ 'تَحْزِينٌ مِنَ الشَّيْطَانِ' کے الفاظ نقل ہوئے ہیں، یعنی شیطان کی طرف سے رنج والم۔ مسند شامیین، طبرانی، رقم ۲۶۱۶ میں اِس جگہ 'وَالتَّحْذِيرُ مِنَ الشَّيْطَانِ'' ''شیطان کی طرف سے ڈراوا'' کے الفاظ ہیں۔ مصنف ابن ابی شیبہ میں عوف بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت سے اِس جگہ بات یوں بیان ہوئی ہے: 'مِنْهَا تَخْوِيفٌ مِنَ الشَّيْطَانِ لِيُحْزِنَ بِهَا ابْنَ آدَمَ'، یعنی اُن میں سے بعض شیطان کی طرف سے ڈرانے والے خواب ہوتے ہیں تاکہ اِن سے وہ انسان کو غم زدہ کر دے۔ ملاحظہ ہو: رقم ۲۹۹۱۶۔ سنن ابن ماجہ، رقم ۳۹۰۵ میں اِنھی کی روایت سے 'أَهَاوِيلُ مِنَ الشَّيْطَانِ' کے الفاظ روایت ہوئے ہیں، یعنی شیطان کی جانب سے ڈرانے والے خواب۔

۵۔ المعجم الاوسط، طبرانی، رقم ۴۰۳ میں اِس جگہ یہ اضافہ نقل ہوا ہے: 'فَلْيَقُمْ فَلْيُصَلِّ رَكْعَتَيْنِ'، یعنی اِس موقع پر چاہیے کہ کھڑے ہو اور دو رکعت نماز ادا کرو۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

— ۴ —

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ[1]، قَالَ: كَشَفَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ السِّتَارَةَ، وَالنَّاسُ صُفُوفٌ خَلْفَ أَبِي بَكْرٍ، فَقَالَ: «أَيُّهَا النَّاسُ، إِنَّهُ لَمْ يَبْقَ مِنْ مُبَشِّرَاتِ النُّبُوَّةِ[2]، إِلَّا الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ، يَرَاهَا الْمُسْلِمُ، أَوْ تُرَى لَهُ، أَلَا وَإِنِّي نُهِيتُ أَنْ أَقْرَأَ الْقُرْآنَ رَاكِعًا، أَوْ سَاجِدًا، فَأَمَّا الرُّكُوعُ، فَعَظِّمُوا فِيهِ الرَّبَّ وَأَمَّا السُّجُودُ، فَاجْتَهِدُوا فِي الدُّعَاءِ، فَقَمِنٌ أَنْ يُسْتَجَابَ لَكُمْ».

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

(دروازے کا) پردہ اٹھایا تو لوگ ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پیچھے صف بستہ تھے۔ آپ نے یہ دیکھا تو فرمایا: لوگو، نبوت کی بشارتوں میں سے اب سچے خواب ہی باقی رہ گئے ہیں۔[1] اِنھیں مسلمان خود بھی دیکھیں گے اور اُن کے لیے یہ دوسروں کو بھی دکھائے جائیں گے۔ خبردار رہو! مجھے رکوع اور سجدے کی حالت میں قرآن پڑھنے سے منع کیا گیا ہے۔[2] سو جہاں تک رکوع کا تعلق ہے تو اُس میں اپنے پروردگار کی کبریائی بیان کرو، اور جہاں تک سجدے کا تعلق ہے تو اُس میں خوب دعا کیا کرو، اِس لیے کہ تمھاری دعاؤں کی قبولیت کے لیے یہ موقع بہت ہی موزوں ہے۔

۱۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات جس موقع پر فرمائی ہے، اُس سے صاف واضح ہے کہ وحی و الہام اور تفہیم الٰہی کے جو دعوے آپ کے بعد کیے گئے ہیں، اُن کے بارے میں آپ لوگوں کو کس درجہ متنبہ کر دینا چاہتے تھے۔

۲۔ یہ اِس لیے فرمایا کہ قرآن پڑھنے کی جگہ نماز میں متعین کر دی گئی ہے، اور وہ قیام ہے۔ اِس کے بعد کوئی وجہ نہیں کہ رکوع اور سجدے کی حالت میں بھی قرآن پڑھا جائے۔ پھر اگر غور کیجیے تو یہ دونوں حالتیں کلام الٰہی کی تلاوت کے لیے موزوں بھی نہیں ہیں۔ ہر صاحب ذوق سمجھ سکتا ہے کہ اِنھیں تسبیح و تہلیل اور دعا و مناجات ہی کے لیے خاص ہونا چاہیے، اِس لیے کہ نماز کو اگر ذکر کے لحاظ سے دیکھیے تو اُس کی حقیقت بھی یہی ہے۔

متن کے حواشی

۱۔ اِس روایت کا متن صحیح مسلم، رقم ۴۷۹ سے لیا گیا ہے۔ اِس کے راوی ابن عباس رضی اللہ عنہ ہیں۔ اُن سے یہ روایت درج ذیل مصادر میں نقل ہوئی ہے:

مصنف ابن ابی شیبہ، رقم ۷۸۸۲، ۲۹۸۶۶، ۲۹۸۶۷۔ مصنف عبد الرزاق، رقم ۲۷۵۲۔ مسند حمیدی، رقم ۴۸۹، ۴۹۰۔ سنن دارمی، رقم ۱۲۹۵۔ مسند احمد، رقم ۱۹۰۰، ۱۹۶۳، ۲۳۱۵، ۲۴۴۱۵۔ سنن ابی داؤد، رقم ۸۷۶۔ سنن ابن ماجہ، رقم ۳۸۹۹۔ مسند بزار، رقم ۴۱۲۔ السنن الصغریٰ، نسائی، رقم ۱۰۴۵، ۱۱۲۰۔ السنن الکبریٰ، نسائی، رقم ۶۲۸، ۷۰۰، ۷۱۹۔ مسند ابی یعلیٰ، رقم ۲۳۳۴، ۲۳۵۹، ۲۵۷۱۔ صحیح ابن خزیمہ، رقم ۵۴۸، ۵۸۴۔ صحیح ابن حبان، رقم ۱۸۹۶، ۱۹۰۰، ۱۹۰۱، ۶۰۴۵، ۶۰۴۶۔ ربیع بن حبیب، رقم ۵۲۔

شعب الایمان، بیہقی، رقم ۴۴۲۳۔ مشکل الآثار، طحاوی، رقم ۱۸۱۶، ۱۸۲۲، ۵۰۷۲۔ المعجم الکبیر، طبرانی، رقم ۱۱۴۶۹۔ المسند المستخرج علی صحیح مسلم، ابو نعیم، رقم ۹۲۴۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ کے علاوہ یہی روایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، عامر بن واثلہ اللیثی رضی اللہ عنہ، عائشہ رضی اللہ عنہا، ام کرز الخزاعیہ رضی اللہ عنہا اور انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ اُن سے یہ درج ذیل کتابوں میں نقل ہوئی ہے:

موطا امام مالک، رقم ۱۱۰۷، ۱۷۱۸۔ مسند احمد، رقم ۱۸۹۲، ۷۷۷۲، ۸۱۱۲۔ سنن دارمی، رقم ۲۰۷۴۔ صحیح بخاری، رقم ۶۵۰۳۔ صحیح ابن حبان، رقم ۶۱۷۸، ۶۱۸۲۔ صحیح ابن خزیمہ، رقم ۱۹۳۳، ۱۹۳۸، ۶۱۸۰۔ سنن ابی داؤد، رقم ۴۳۶۵۔ سنن ابن ماجہ، رقم ۳۸۹۲۔ صحیح ابن حبان، رقم ۶۱۸۱۔ مستدرک حاکم، رقم ۸۲۴۶۔ مسند ابی یعلیٰ، رقم ۳۸۹۲۔

۲۔ مسند حمیدی، رقم ۳۴۳ میں اِس جگہ اُم کرز رضی اللہ عنہا کی روایت سے یہ الفاظ منقول ہیں: 'ذَهَبَتِ النُّبُوَّةُ وَبَقِيَتِ الْمُبَشِّرَاتُ'، یعنی نبوت چلی گئی اور مبشرات باقی رہ گئے ہیں۔

سنن ترمذی، رقم ۲۲۰۳ میں یہی مضمون اِن الفاظ میں نقل ہوا ہے:

حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِنَّ الرِّسَالَةَ وَالنُّبُوَّةَ قَدِ انْقَطَعَتْ، فَلَا رَسُوْلَ بَعْدِي وَلَا نَبِيَّ»، قَالَ: فَشَقَّ ذَلِكَ عَلَى النَّاسِ، فَقَالَ: «لَكِنَ الْمُبَشِّرَاتُ»، قَالُوا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، وَمَا الْمُبَشِّرَاتُ؟ قَالَ: «رُؤْيَا الْمُسْلِمِ، وَهِيَ جُزْءٌ مِنْ أَجْزَاءِ النُّبُوَّةِ».

"انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رسالت اور نبوت کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے، لٰہذا میرے بعد نہ کوئی رسول ہوگا اور نہ نبی، انس کہتے ہیں: یہ بات لوگوں پر گراں گزری تو آپ نے فرمایا: البتہ بشارتیں باقی ہیں، صحابہ نے عرض کیا: اللہ کے رسول، بشارتیں کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا: مسلمان کا خواب، اور یہ نبوت کے اجزا میں سے ایک جزو ہے۔

المصادر والمراجع

ابن حبان، أبو حاتم بن حبان. (١٤١٤هـ/١٩٩٣م). **صحيح ابن حبان**. ط٢. تحقيق: شعيب الأرنؤوط. بيروت: مؤسسة الرسالة.

ابن حجر، على بن حجر أبو الفضل العسقلاني. (١٣٧٩ھ). **فتح الباري شرح صحيح البخاري.** (د.ط). تحقيق: محمد فؤاد عبد الباقي. بيروت: دار المعرفة.

ابن قانع، ابوالحسين عبد الباقى. (١٤٨١ھ/١٩٩٨م). **معجم الصحابة.** ط١. تحقيق:حمدي محمد. مكة المكرمة: نزار مصطفى الباز.

ابن ماجة، ابو عبد الله محمد بن يزيد القزويني. (د.ت). **سنن ابن ماجة.** ط١. تحقيق: محمد فؤاد عبد الباقي. بيروت: دار الفكر.

ابن منظور، محمد بن مكرم بن الأفريقي. (د.ت). **لسان العرب.** ط١. بيروت: دار صادر.

أبو نعيم، احمد بن عبد الله اصفهانى (د.ت). **معرفة الصحابة.** ط١. تحقيق: مسعد السعدني. بيروت: دارالكتاب العلمية.

أحمد بن محمد بن حنبل الشيباني. (د.ت). **مسند أحمد بن حنبل.** ط١. بيروت: دار إحياء التراث العربي.

البخاري، محمد بن إسمٰعيل. (١٤٠٧ھ/ ١٩٨٧م). **الجامع الصحيح.** ط٣. تحقيق: مصطفى ديب البغا. بيروت: دار ابن كثير.

بدر الدين العيني ابو محمد محمود بن احمد. **عمدة القاري شرح صحيح البخاري.** (د.ط). بيروت: دار إحياء التراث العربي.

البيهقي، أحمد بن الحسين البيهقي. (١٤١٤ھ/١٩٩٤م). **السنن الكبرى.** ط١. تحقيق: محمد عبد القادر عطاء. مكة المكرمة: مكتبة دار الباز.

السيوطي، جلال الدين عبد الرحمٰن بن ابوبكر السيوطي. (١٤١٦ھ/ ١٩٩٦م). **الديباج على صحيح مسلم بن الحجاج.** ط ١. تحقيق: أبو إسحٰق الحويني الأثري. السعودية: دار ابن عفان للنشر والتوزيع.

الشاشي، الهيثم بن كليب. (١٤١٠ھ). **مسند الشاشي.** ط١. تحقيق: محفوظ الرحمٰن زين الله. المدينة المنورة: مكتبة العلوم والحكم.

محمد القضاعي الكلبي المزي. (١٤٠٠ھ/١٩٨٠م). **تهذيب الكمال في أسماء الرجال.** ط١. تحقيق: بشار عواد معروف. بيروت: مؤسسة الرسالة.

مسلم، مسلم بن الحجاج. (د.ت). **الجامع الصحيح**. ط١. تحقيق: محمد فؤاد عبد الباقي. بيروت: دار إحياء التراث العربي.

النسائي، أحمد بن شعيب. (١٤٠٦هـ/١٩٨٦م). **السنن الصغرى**. ط٢. تحقيق: عبد الفتاح أبو غدة. حلب: مكتب المطبوعات الإسلامية.

النسائي، أحمد بن شعيب. (١٤١١هـ/١٩٩١م). **السنن الكبرى**. ط١. تحقيق: عبد الغفار سليمان البنداري، سيد كسروي حسن. بيروت: دار الكتب العلمية.

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

محمد عمار خان ناصر

”میزان“ — توضیحی مطالعہ

قانون سیاست

(۲)

فلسطین اور جزیرہ نماے عرب کی خصوصی حیثیت

”الہامی صحائف کے علما جانتے ہیں کہ دنیا میں دو خطہ ہاے ارض ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے خاص کیے تھے: ایک فلسطین اور دوسرے جزیرہ نماے عرب۔ یہ اِس لیے خاص کیے گئے کہ عالمی سطح پر دین کی شہادت کے لیے اللہ تعالیٰ کی منتخب کردہ قومیں اِن خطہ ہاے ارض میں اُس کی توحید کے مراکز قائم کریں۔ یہ مراکز مکہ اور یروشلم میں دو مسجدوں کی صورت میں قائم کیے گئے جنھیں 'بیت الحرام' اور 'ہیکل سلیمانی' کہا جاتا ہے۔ اِن مراکز کی حفاظت اور اِن کے ذریعے سے دین کی دعوت اقصاے عالم تک پہنچانے کے لیے فیصلہ کیا گیا کہ اِن خطہ ہاے ارض میں کسی دوسرے دین کے ماننے والے مستقل طور پر کبھی آباد نہیں ہوں گے۔ اِس کا لازمی نتیجہ وہاں اُن قوموں کی حکومت تھی جو اِس مقصد کے لیے منتخب کی گئیں۔“ (میزان ۴۸۵)

یہاں تین نکتے ترتیب وار قابل توضیح ہیں:

پہلا نکتہ بنی اسرائیل اور بنی اسمٰعیل کی خصوصی حیثیت سے متعلق ہے۔ اس کی تفصیل مصنف نے ”قانون دعوت“ کے تحت بیان کی ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کی قوموں پر اتمام حجت کے لیے جیسے مختلف اوقات میں اپنے پیغمبروں کا انتخاب کیا ہے، اسی طرح حضرت ابراہیم کی ذریت کا بھی بطور قوم

انتخاب فرمایا ہے۔ اس مقصد سے بنی اسرائیل اور بنی اسمٰعیل، دونوں کو شام و عرب کی سر زمین میں دو الگ الگ خطوں کا اقتدار اور اللہ کی عبادت کے لیے قائم کیے گئے دو مراکز کی تولیت عطا کی گئی (میزان ۵۵۰)۔

''البیان'' میں سورۂ مائدہ کی آیت ۲۱ کی تشریح میں مصنف نے اس اصول کی بھی وضاحت کی ہے جس کے تحت ان خطوں میں اور بالخصوص فلسطین میں بنی اسرائیل کا اقتدار قائم کرنے کے لیے وہاں پہلے سے آباد قوموں کو بے دخل کر دینے کا فیصلہ کیا گیا۔ مصنف لکھتے ہیں:

> ''دشت فاران میں بنی اسرائیل کو فلسطین پر حملے کی ہدایت فرمائی ہے۔ یہ حملہ اِس لیے ضروری تھا کہ فلسطین کے علاقے کو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی میراث کا علاقہ قرار دے کر اُنھیں حکم دیا تھا کہ اِس علاقے کو اپنی دعوت کا مرکز بنائیں۔ نبیوں کی قیادت میں جو حکومت قائم ہوتی ہے، وہ چونکہ براہ راست اللہ کی حکومت ہوتی ہے، اِس لیے اُس کو جس طرح اتمام حجت کے بعد لوگوں کی جزا و سزا کا حق حاصل ہو جاتا ہے، اُسی طرح یہ حق بھی آپ سے آپ حاصل ہو جاتا ہے کہ جس علاقے سے چاہے، لوگوں کی حکومت ختم کر کے اُس میں اپنی حکومت قائم کر دے۔ اِس کا عام انسانوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اُن کی حکومت کو یہ حق نہ حاصل ہے اور نہ کسی طرح حاصل ہو سکتا ہے۔'' (۶۱۳/۱)

دوسرا نکتہ فلسطین اور جزیرۂ عرب کے خصوصی احکام سے تعلق رکھتا ہے۔ مصنف نے بیان کیا ہے کہ ''اِن خطہ ہاے ارض میں کسی دوسرے دین کے ماننے والے مستقل طور پر کبھی آباد نہیں ہوں گے۔'' اس کی مزید تفصیل مصنف نے دیگر مقامات پر کی ہے۔ مثلاً ''مقامات'' میں ''خدا کے فیصلے'' کے زیر عنوان مصنف نے لکھا ہے:

> ''فلسطین اور اُس کے گرد و نواح میں کنعان کا علاقہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے لیے اور جزیرہ نماے عرب کا علاقہ بنی اسمٰعیل کے لیے خاص کر دیا ہے تاکہ دنیا کی سب قومیں اُن کے ساتھ اُس کی معیت کا مشاہدہ کریں اور ہدایت پائیں۔ چنانچہ بنی اسرائیل کو اِسی بنا پر حکم دیا گیا کہ اپنی میراث کے اِس علاقے کو اُس کے باشندوں سے خالی کرا لیں، اُس میں کسی کافر و مشرک کو زندہ نہ چھوڑیں اور نہ اُس کی سرحدوں سے متصل کسی علاقے میں کافروں اور مشرکوں کی کوئی حکومت قائم رہنے دیں، الاّ یہ کہ وہ اُن کے باج گزار بن جائیں۔ وہ اِس سے انکار کریں تو سزا کے طور پر اُن کے مرد قتل کر دیے جائیں اور عورتوں اور بچوں کو غلام بنا لیا جائے۔ استثنا کے باب ۲۰ میں یہ حکم پوری تفصیل کے ساتھ بیان ہوا ہے۔ سلیمان علیہ السلام نے ملکۂ سبا کو اِسی کے تحت تسلیم و انقیاد کے لیے مجبور کیا تھا۔ فتح مکہ کے بعد جزیرہ نماے عرب میں مشرکین کے تمام معابد اِسی کے تحت ختم

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

کیے گئے۔'لا یجتمع دینان في جزیرة العرب' کی ہدایت بھی اِسی کے تحت ہے۔ چنانچہ سرزمین عرب میں اِسی بنا پر نہ غیر اللہ کی عبادت کے لیے کوئی معبد تعمیر کیا جا سکتا ہے اور نہ کسی کافر و مشرک کو رہنے بسنے کی اجازت دی جا سکتی ہے۔ یہ تمام احکام توحید کے اِسی مرکز سے متعلق ہیں۔ اِن کا دنیا کے کسی دوسرے علاقے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔"(۲۵۳)

تیسرے نکتے کا تعلق فلسطین کی مذکورہ خصوصی حیثیت میں واقع ہونے والی تبدیلی سے ہے۔ سورۂ بنی اسرائیل کی ابتدائی آیات کے تحت مصنف نے واضح کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک سفر کرانے اور مختلف نشانیاں دکھانے کا مقصد بنی اسرائیل کو اس بات کی اطلاع دینا تھا کہ انھیں شہادت حق کی جو ذمہ داری اور مسجد اقصیٰ کو آباد رکھنے کی جو امانت سپرد کی گئی تھی، وہ اب ان سے لے کر بنی اسمٰعیل کو تفویض کی جا رہی ہے۔ مصنف لکھتے ہیں:

"بنی اسرائیل اِس گھر میں جو کچھ کہتے اور کرتے رہے ہیں، اُس کو سننے اور دیکھنے کے بعد یہی ہونا تھا۔ چنانچہ خدا نے فیصلہ کر دیا ہے کہ اِس گھر کی امانت اب نبی امی کے حوالے کر دی جائے گی۔ آپ کو رات ہی رات میں مسجد حرام سے یہاں تک اِسی مقصد سے لایا گیا ہے۔ خدا ہر عیب سے پاک ہے، لہٰذا وہ کسی طرح گوارا نہیں کر سکتا تھا کہ ایک قوم کو لوگوں پر اتمام حجت کے لیے منتخب کرے اور اُس کی طرف سے اِس درجے کی سرکشی کے باوجود اُسے یوں ہی چھوڑے رکھے۔ ناگزیر تھا کہ پیش نظر مقصد کے لیے وہ کوئی دوسرا اہتمام کرے۔ اُس نے یہی کیا ہے اور عالمی سطح پر دعوت و شہادت کی ذمہ داری بنی اسمٰعیل کے سپرد کر دی ہے۔"(البیان ۳/ ۶۳)

مصنف کی اس وضاحت سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ بنی اسرائیل اور بنی اسمٰعیل کو چونکہ الگ الگ تاریخی ادوار میں عالمی سطح پر دین کی شہادت کے لیے منتخب کیا گیا، اس لیے ان کے اقتدار میں دیے جانے والے خطوں کے خصوصی احکام کا تعلق بھی مختلف ادوار سے ہے۔ چنانچہ جس دور میں یہ ذمہ داری بنی اسرائیل کے سپرد کی گئی تھی، اس میں کسی دوسرے دین کے ماننے والوں کے مستقل قیام کی ممانعت کا تعلق بھی فلسطین سے متعلق تھا۔ اس کے بعد جب یہ ذمہ داری بنی اسرائیل سے لے کر بنی اسمٰعیل کے سپرد کر دی گئی اور اس ذمہ داری کی ادائیگی میں بیت الحرام کو مرکزی حیثیت حاصل ہو گئی تو فلسطین کی یہ خصوصی حیثیت بھی باقی نہیں رہی۔ چنانچہ "مقامات" میں "ریاست اور حکومت" کے زیر عنوان مصنف نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے:

"جزیرہ نماے عرب کی ریاست جس کے حدود خود خالق کائنات نے متعین کر کے اُس کو اپنے لیے خاص

کر لیا ہے۔ چنانچہ اُسی کے حکم پر اُس کی دعوت اور عبادت کا عالمی مرکز اُس میں قائم کیا گیا اور ساتویں صدی عیسوی میں آخری رسول کی وساطت سے اعلان کر دیا گیا کہ 'لا یجتمع فیھا دینان' (اب قیامت تک کوئی غیر مسلم اِس کا شہری نہیں بن سکتا)۔ اِس سے پہلے کئی صدیوں تک یہی حیثیت ریاست فلسطین کی تھی۔''

(۲۰۹)

خلافت اور قومی ریاست

مسلمانوں کے سیاسی طور پر ایک عالمی نظم کے تحت متحد ہونے کے تصور کے لیے عموماً ''خلافت'' کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔ مصنف نے ''قانون سیاست'' کے مباحث میں اس کا ذکر نہیں کیا، جس کا مطلب یہ ہے کہ مصنف کی رائے میں مسلمان، اس کے پابند نہیں ٹھیرائے گئے۔ اس نکتے سے متعلق مصنف نے اپنے نقطۂ نظر کی وضاحت اپنی دیگر تحریروں میں کی ہے۔ یہاں مختصراً ان کے استدلال کا ذکر کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

''مقامات'' میں ''قانون سیاست'' کے زیر عنوان مصنف نے لکھا ہے:

''یہ بات کہ دنیا میں مسلمانوں کی ایک ہی حکومت ہونی چاہیے اور یہ اسلام کا حکم ہے تو قرآن سے واقف ہر صاحب علم جانتا ہے کہ وہ اِس طرح کے کسی حکم سے یکسر خالی ہے۔... اِن حدیثوں میں وہ بات ہرگز نہیں کہی گئی جو اِن سے ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اِن میں جو کچھ کہا گیا ہے، وہ یہ ہے کہ مسلمان اگر اپنی حکومت کے لیے کسی شخص کے ہاتھ پر بیعت کر لیں اور اِس کے بعد کوئی دوسرا بغاوت کر کے اٹھ کھڑا ہو اور لوگوں کو بیعت کی دعوت دے تو ہر مسلمان کو پہلی بیعت پر قائم رہنا چاہیے۔ نیز یہ کہ اگر دوسرا اپنی حکومت کا اعلان کر دے اور کچھ لوگ اُس کی بیعت بھی کر لیں تو اُس کو قتل کر دیا جائے۔...

آپ نے جو کچھ فرمایا، وہ یہی تھا۔ اِن سے یہ بات کسی منطق سے بھی بر آمد نہیں کی جا سکتی کہ اسلام نے اپنے ماننے والوں کو دنیا میں ایک ہی حکومت قائم کرنے کا حکم دیا ہے اور اسلام کے داعی اگر کبھی امریکا، برطانیہ یا دنیا کے کسی دوسرے ملک میں لوگوں کی اکثریت کو مشرف بہ اسلام کرنے میں کامیاب ہو جائیں تو اِن احادیث و آثار کی رو سے وہ اپنے ملک میں اپنی الگ حکومت قائم نہیں کر سکتے اور اگر کریں گے تو گناہ گار ہوں گے، جس طرح کہ اِس وقت پچاس کے قریب ممالک کے مسلمان ہو رہے ہیں۔'' (۲۱۸-۲۲۰)

مصنف کا یہ نقطۂ نظر عصر حاضر کے بیش تر مسلم اہل علم کے نقطۂ نظر سے ہم آہنگ ہے اور اس کے تاریخی شواہد اسلامی فکری روایت میں بھی ملتے ہیں۔ روایتی مذہبی فکر میں دنیا کے تمام مسلمانوں کے 'خلافت' کے

عنوان سے ایک مرکزی سیاسی ادارے کے تحت منظم ہونے کے تصور کو بنیادی اہمیت حاصل رہی ہے۔ مسلم سیاسی مفکرین اس سیاسی مرکزیت کو اسلام کے سیاسی نظام کی ایک مثالی شکل کے طور پر بیان کرتے رہے ہیں اور کم از کم اسلام کے زیر نگیں مرکزی علاقے (جزیرۂ عرب اور اس کے گرد و نواح کے خطے) کسی نہ کسی رنگ میں پہلے عرب اور پھر بعد میں ترکی خلافت کے زیر سایہ ایک مرکزی سیاسی نظام سے مربوط رہے ہیں۔

تاہم اسلامی تاریخ کے ایک مخصوص مرحلے پر جب اندلس میں مسلمانوں کی ایک مستقل خلافت قائم ہو گئی، جس کا مرکزی خلافت کے ساتھ کوئی سیاسی تعلق نہیں تھا تو اس کے بعد اہل اندلس نے حکمرانی کے تسلسل اور انتقال اقتدار کے لیے اپنا سیاسی نظام بھی الگ وضع کیا اور اس علاقے کے مسلمان آیندہ تاریخ میں مرکزی خلافت سے آزاد رہ کر اپنے سیاسی معاملات کی انجام دہی کرتے رہے۔ دونوں حکومتوں کے اپنے اپنے دار الحکومت اور اپنے اپنے ارباب حل و عقد تھے اور دونوں سلطنتوں میں خلیفہ کے انتخاب کے لیے مقامی ارباب حل و عقد کا اتفاق اسی علاقے کے لیے اور انھی جغرافیائی حدود میں موثر مانا جاتا تھا جن میں ان میں سے ہر ایک سلطنت عملاً قائم تھی۔ یہی معاملہ عالم اسلام کے ان دوسرے خطوں کا بھی رہا ہے جہاں تاریخ کے مختلف ادوار میں مسلمانوں نے مرکزی خلافت سے الگ اپنا نظام حکمرانی قائم کیا۔

مسلم سیاسی مفکرین اور فقہا، امت کی سیاسی مرکزیت کے آئیڈیل کے تناظر میں مذکورہ واقعاتی صورت حال کا جواز عملی ضرورت اور مصلحت کے مختلف اصولوں کی روشنی میں پیش کرتے رہے ہیں۔ امام الحرمین الجوینی اور شوکانی وغیرہ کی تحریروں میں اس حوالے سے فتنہ سے اجتناب اور امور سلطنت کے انتظام میں دشواری وغیرہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ مثلاً الجوینی کہتے ہیں کہ اگر مسلمان ایک حکمران کے تقرر پر متفق نہ ہو سکیں اور اقتدار کے دو مدعی کھڑے ہو جائیں تو مسلمانوں کی باہمی جنگ سے بچنے کے لیے بہتر ہو گا کہ اتفاق پیدا ہونے تک دونوں کی حکومت کو بالفعل درست مان لیا جائے۔ اسی طرح اگر حدود سلطنت اتنی وسیع ہو جائیں کہ ایک حکمران کے لیے پوری سلطنت کا موثر انتظام و انصرام ممکن نہ رہے یا مسلمانوں کی سلطنت کے دو حصوں کے مابین کوئی غیر مسلم سلطنت واقع ہو جس کی وجہ سے باہمی رابطے اور رسل و رسائل کے معاملات میں دشواری پیش آتی ہو تو بھی مختلف علاقوں میں ایک سے زیادہ حکمران مقرر کیے جا سکتے ہیں (الجوینی، غیاث الامم فی التیاث الظلم ۱۲۶-۱۲۷۔ الشوکانی، السیل الجرار ۱/ ۹۴۱)۔

اس تناظر میں بیسویں صدی میں قومیت کے جدید سیاسی تصورات کے زیر اثر خلافت کے تحت سیاسی

مرکزیت کے بجاے آزاد اور خود مختار قومی حکومتوں کا تصور مقبول ہوتا چلا گیا اور 'خلافت' کے ادارے کے خاتمے کے بعد بیسویں صدی کے وسط میں ساٹھ سے زیادہ مسلم قومی حکومتیں دنیا کے نقشے پر نمودار ہو گئیں تو مذہبی اہل فکر نے عموماً اس کو ایک امر واقعہ کے طور پر قبول کیا۔ انھوں نے یہ قرار دیا کہ مسلمانوں کا لازمی طور پر کسی ایک ہی نظم اجتماعی کے تحت سیاسی طور پر متحد ہونا ضروری نہیں اور سیاسی وحدت کا ہرگز یہ تقاضا نہیں کہ الگ الگ اور خود مختار حکومتوں کے جواز کی نفی کی جائے۔ مثال کے طور پر مولانا مودودی لکھتے ہیں:

"دنیا میں جہاں بھی ان اصولوں پر کوئی حکومت قائم ہو گی، وہ لازماً اسلامی حکومت ہی ہو گی، خواہ وہ افریقہ میں ہو یا امریکہ میں، یورپ میں ہو یا ایشیا میں اور اس کے چلانے والے خواہ گورے ہوں یا کالے یا زرد۔ اس نوعیت کی خالص اصولی ریاست کے لیے ایک عالمی ریاست بن جانے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے، لیکن اگر زمین کے مختلف حصوں میں بہت سی ریاستیں بھی اس نوعیت کی ہوں تو وہ سب کی سب یکساں اسلامی ریاستیں ہوں گی، کسی قوم پرستانہ کشمکش کے بجائے ان کے درمیان پورا پورا برادرانہ تعاون ممکن ہو گا اور کسی وقت بھی وہ متفق ہو کر اپنا ایک عالم گیر وفاق قائم کر سکیں گی۔" (خلافت وملوکیت ۵۶)

مصنف نے اسی نقطۂ نظر کی تائید کرتے ہوئے ان فکری رجحانات پر تنقید کی ہے جو قومی ریاست کو اسلامی تصور سیاست کے منافی قرار دیتے اور تمام مسلمانوں کے لیے ایک ہی مرکزی نظم حکومت کے تحت مجتمع ہونے کو ایک دینی حکم کا درجہ دیتے ہیں۔ "اسلام اور قومیت" کے زیر عنوان مصنف نے لکھا ہے:

"میں نے... اپنی قوم کے اُن نوجوانوں کے لیے اسلام کے صحیح فکر کی وضاحت کر دی ہے جنھیں یہ کہہ کر دہشت گردی کی کارروائیوں کے لیے آمادہ کیا جاتا ہے کہ مسلمانوں کے اندر عرب، ایرانی اور پاکستانی یا افغانی قومیتوں کا وجود بالکل ناجائز ہے، مسلمانوں کی قومیت اسلام اور اُن کا نظام خلافت ہے جس میں دور حاضر کی قومی ریاستوں کے لیے کوئی گنجایش پیدا نہیں کی جا سکتی، لہٰذا خدا کی زمین کو اِن کے وجود سے پاک کر دینا چاہیے۔ میں نے اُن کو بتایا ہے کہ قومی ریاست کوئی کفر نہیں ہے اور قومیت کی تمام فطری اساسات مسلمانوں کے لیے بھی اُسی طرح بنائے قومیت ہو سکتی ہیں، جس طرح دوسری قوموں کے لیے ہو سکتی ہیں۔ قرآن کی رو سے مسلمانوں کا باہمی رشتہ قومیت کا نہیں، بلکہ اخوت کا ہے۔ چنانچہ جو مسلمان وطنی قومیت کے تصور کو قبول کر کے امریکا، برطانیہ، جرمنی، فرانس یا ہندوستان، بلکہ پاکستان میں بھی رہ رہے ہیں، وہ شریعت کے کسی حکم کی خلاف ورزی نہیں کر رہے۔ اسلام کے مآخذ اِس طرح کے کسی حکم سے یکسر خالی ہیں کہ اسلام میں قومیت کی

بنیاد بھی اسلام ہی ہے۔"(مقامات ۲۲۲)

قومی ریاستوں کو غیر اسلامی قرار دینے کے نقطۂ نظر کے استدلال اور اس کی تنقید کے لیے ملاحظہ ہو ہماری تحریر: "دولت اسلامیہ اور قیام خلافت۔ایک سنگین مغالطہ"(ماہنامہ الشریعہ، فروری ۲۰۱۶ء)

اولوالامر کی اطاعت کے حدود

"اولی الامر کی اطاعت کا یہ حکم، ظاہر ہے کہ صرف مسلمان حکمرانوں کے لیے ہے۔ سورۂ نساء کی زیر بحث آیت کے سیاق سے یہی بات معلوم ہوتی ہے۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وضاحت فرمائی ہے کہ اللہ و رسول کے مقابلے میں سرکشی اختیار کر لینے کے بعد اطاعت کا یہ حکم اُن سے متعلق نہیں رہتا... تاہم اِس حد کو پہنچ جانے کے بعد بھی حکمرانوں کے خلاف بغاوت کا حق کسی شخص کو اُس وقت تک حاصل نہیں ہوتا، جب تک مسلمانوں کی واضح اکثریت اُس کی تائید میں نہ ہو۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ یہ پھر حکومت کے خلاف نہیں، بلکہ مسلمانوں کے خلاف بغاوت قرار پائے گی جو اسلامی شریعت کی رو سے فساد فی الارض ہے اور جس کی سزا قرآن میں قتل مقرر کی گئی ہے... پھر یہ بات بھی واضح رہنی چاہیے کہ یہ بغاوت اگر مسلح بغاوت ہے تو اِس پر وہ تمام شرائط بھی آپ سے آپ عائد ہو جائیں گے جو اسلامی شریعت میں جہاد و قتال کے لیے بیان ہوئے ہیں۔ لہٰذا کسی مسلمان کے لیے جائز نہ ہو گا کہ وہ اُنھیں پورا کیے بغیر اِس نوعیت کا کوئی اقدام اپنے حکمرانوں کے خلاف کرے۔"(میزان ۴۸۷-۴۸۹)

یہاں تین سوالات تنقیح و توضیح کا تقاضا کرتے ہیں:

پہلا یہ کہ اللہ اور رسول کے مقابلے میں سرکشی اختیار کرنے کا مطلب کیا ہے؟

دوسرا یہ کہ اگر سرکش حکمرانوں کو مسلمانوں کی واضح اکثریت کی تائید حاصل ہو تو ان کے خلاف بغاوت کا کیا حکم ہے؟

تیسرا یہ کہ مسلح بغاوت، یعنی جہاد و قتال کے لیے وہ کون سے شرائط ہیں جو اسلامی شریعت میں بیان ہوئے ہیں؟

پہلے نکتے کے ضمن میں مصنف نے ان احادیث کا حوالہ دیا ہے جن میں یہ کہا گیا ہے کہ حکمران کسی کھلے کفر کا مرتکب ہو جس کے بارے میں مسلمانوں کے پاس اللہ کی ایک واضح اور قطعی حجت موجود ہو تو اس کی اطاعت نہیں کی جائے گی۔ اسی طرح بعض احادیث میں ہے کہ حکمران جب تک نماز قائم کرتے رہیں، ان کے ظلم و جبر

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

کی وجہ سے ان کے خلاف قتال نہ کیا جائے۔ ان احادیث کے مجموعے سے مصنف نے یہ اخذ کیا ہے کہ حکمران کی اطاعت کی ہدایت اصلاً مسلمان حکمرانوں سے متعلق ہے اور اگر خدانخواستہ مسلمانوں کا حکمران کفر وارتداد اور احکام شریعت سے کھلی سرکشی پر اتر آئے تو مسلمان اس کی اطاعت کے پابند نہیں ہیں۔

دوسرے نکتے سے متعلق مصنف کا موقف یہ ہے کہ اگر دین وشریعت سے کھلے انحراف اور سرکشی کے باوجود حکمران کو مسلمانوں کی اکثریت کی تائید حاصل ہو تو اس کے خلاف مسلح بغاوت جائز نہیں۔ فقہا و محدثین حکمران کی طرف سے ارتکاب کفر کی صورت اس کے خلاف بغاوت کو واجب قرار دیتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ اس کی کوشش ہر مسلمان پر واجب ہے اور جس گروہ کے لیے بھی یہ ممکن ہو، اس پر بغاوت کرنا واجب ہوگا۔ اگر وہ ایسا کرنے سے عاجز ہوں تو ان پر وہاں سے ہجرت کر جانا واجب ہوگا (نووی، شرح صحیح مسلم ۱۲/۲۲۹۔ ابن حجر، فتح الباری ۱۳/۱۱۶، ۱۲۳)۔ ایک معاصر عالم نے فقہا و محدثین کے موقف کی تعبیر یوں کی ہے کہ اگر لوگوں کو بغاوت کے کامیاب ہونے کا غالب گمان ہو تو ان پر بغاوت واجب ہے۔ بصورت دیگر انھیں اس کے اسباب اور امکانات پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے (عبد اللہ بن عمر بن سلیمان الدمیجی، الامامۃ العظمیٰ عند اہل السنۃ والجماعۃ ۵۴۷-۵۴۸)۔

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

جہاں تک لوگوں کی اکثریت کی راے کا تعلق ہے تو فقہا حکمران کے فسق وفجور کی صورت میں اس کی رعایت کو اہم قرار دیتے ہیں اور اکثریت اگر حکمران کے فسق وفجور کے باوجود اس کی اطاعت پر متفق ہو تو اقلیت کے لیے اسے معزول کرنے کی کوشش کو جائز قرار نہیں دیتے (بیہقی، شعب الایمان ۱۰/۱۳)۔ البتہ حکمران کے ارتداد کی صورت میں اکثریت کی تائید کا نکتہ ان کے کلام میں نہیں ملتا۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس صورت میں اکثریت کی تائید کو بغاوت سے مانع نہیں سمجھتے۔ تاہم جدید جمہوری نظام کے تناظر میں، بعض اہل علم کے ہاں اس کی تصریح ملتی ہے کہ اگر مسلمانوں کے ملک میں لادینی نظام قائم ہو جائے تو جب تک جمہوری طریقے سے عوامی راے کو تبدیل کرنے کے مواقع موجود ہوں، مسلح جدوجہد کا طریقہ اختیار کرنا درست نہیں ہوگا۔ مثلاً مولانا ابو الاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں:

> ”کوئی دوسرا نظام مثلاً کمیونزم لوگوں پر زبردستی ٹھونسا جا سکتا ہے بلکہ اس کے قیام کا ذریعہ ہی جبر اور جباریت ہے اور خود اس کے ائمہ علانیہ یہ کہتے ہیں کہ انقلاب بندوق کی گولی ہی سے آتا ہے۔ استعماری نظام اور سرمایہ داری نظام اور فسطائی نظام بھی رائے عام کی تائید کے محتاج نہیں ہیں، بلکہ رائے عام کو طاقت سے کچل دینا اور اس کا گلا گھونٹ دینا ہی ان کے قیام کا ذریعہ ہے، لیکن اسلام اس قسم کا نظام نہیں ہے۔ .... ناگزیر ہے کہ

تبلیغ، تلقین اور تفہیم کے ذرائع اختیار کر کے لوگوں کے عقائد وافکار بدلے جائیں، ان کے سوچنے کے انداز بدلے جائیں، ان کی اقدار (values) بدلی جائیں، ان کے اخلاق بدلے جائیں اور ان کو اس حد تک ابھار دیا جائے کہ وہ اپنے اوپر جاہلیت کے کسی نظام کا تسلط برداشت کرنے کے لیے تیار نہ ہوں۔ یہی وہ چیز ہے جس کے متعلق ہم کہتے ہیں کہ جمہوری طریقوں کے سوا اس کے حصول کا کوئی دوسرا ذریعہ نہیں ہے اور آپ خود سمجھ سکتے ہیں کہ اسلامی نظام کو عملاً برپا کر دینے کے لیے کوئی اقدام اس وقت تک نہیں کیا جا سکتا جب تک اس مقصد کے لیے کام کرنے والوں کو اس نوعیت کی عوامی تائید حاصل نہ ہو جائے۔''

(''تصریحات''، مرتب: سلیم منصور خالد، البدر پبلی کیشنز لاہور ۳۲۰، ۳۲۲)

مصنف کا نقطۂ نظر بھی اس نکتے کے حوالے سے اسی موقف کے قریب تر ہے۔

تیسرے نکتے سے متعلق مصنف کے نقطۂ نظر کی توضیح ''برہان'' میں ان کی تحریر ''اسلامی انقلاب'' میں ملتی ہے۔ مصنف کے نزدیک مسلح بغاوت کے لیے چار شرائط کا پایا جانا ضروری ہے، جو حسب ذیل ہیں:

پہلی یہ کہ حکمران کھلے کفر کا ارتکاب کریں،

دوسری یہ کہ اُن کی حکومت کو مسلمانوں کی اکثریت کی تائید حاصل نہ ہو،

تیسری یہ کہ باغی قیادت پر قوم کی اکثریت مجتمع ہو،

اور چوتھی یہ کہ بغاوت کرنے والے پہلے کسی آزاد علاقے میں جا کر اپنی حکومت قائم کریں۔

ان میں سے پہلی شرط کی دلیل کی وضاحت اوپر کی جا چکی ہے۔ دوسری اور تیسری شرط کا ماخذ مصنف کے نزدیک 'اَمْرُهُمْ شُوْرٰی بَيْنَهُمْ' کا اصول ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ مسلمانوں پر اقتدار کا حق انھی کو ہے جن کو اکثریت کی تائید حاصل ہو، چنانچہ اگر مسلمانوں کی اکثریت حکومت کے ساتھ کھڑی ہو یا بغاوت کرنے والوں کو اکثریت کا اعتماد حاصل نہ ہو تو دونوں صورتوں میں یہ اقدام شرعاً ناجائز ہوگا۔ چوتھی شرط کے لیے مصنف نے عقلی استدلال کے علاوہ انبیا کی سیرت سے بھی استنباط کیا ہے۔ مصنف کا کہنا ہے کہ باغی قیادت کو جب تک خود اپنے گروہ پر ایک آزاد علاقے میں مکمل اختیار حاصل نہ ہو اور وہ انھیں قانون اور ضابطوں کا پابند نہ رکھ سکتی ہو، اس وقت تک اس کو ایک منظم حکومت کے خلاف تلوار اٹھانے کی اجازت نہیں دی جا سکتی، کیونکہ اس کا نتیجہ محض فساد اور انتشار کی صورت میں نکلے گا۔ مصنف کی رائے میں سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی وجہ سے اس وقت تک جہاد اور قتال کا طریقہ اختیار نہیں فرمایا جب تک اپنے ساتھیوں کے ساتھ مصر اور مکہ سے ہجرت کر کے ایک آزاد علاقے میں اپنا اقتدار قائم نہیں کر لیا (برہان ۲۹۸)۔

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

ڈاکٹر عرفان شہزاد

جبری تعلیم

[''نقطۂ نظر'' کا یہ کالم مختلف اصحاب فکر کی نگارشات کے لیے مختص ہے۔ اس میں شائع ہونے والے مضامین سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔]

حصول تعلیم ہر فرد کا مسئلہ بنا دیا گیا ہے۔ دور جدید کا یہ ایک غیر متوازن رجحان ہے۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ہر فرد تعلیمی رجحان کا حامل نہیں ہوتا۔ تعلیم پر بھرپور وسائل خرچ کرنے والے ممالک میں بھی یہ ممکن نہیں ہو سکا کہ ہر بچے کو رسمی تعلیم کے ذریعے سے تعلیم یافتہ بنایا جا سکے۔ فطری رجحانات کو تبدیل کرنا ممکن نہیں ہوتا۔

جس طرح تعلیمی رجحان رکھنے والے بچوں کو تعلیم کے بجائے کسی کام دھندے یا ہنر سیکھنے پر لگا دینا ظلم ہے، اسی طرح تعلیمی رجحان نہ رکھنے والے بچوں کو حصول تعلیم پر مجبور کرنا زیادتی ہے۔ تعلیمی رجحان نہ رکھنے والے بچے موافق حالات اور وسائل کے باوجود بھی پڑھنے کی طرف مائل نہیں ہو پاتے۔ اس میں ان کا کوئی قصور ہے اور نہ ہی اس رجحان کی کمی کوئی بری چیز ہے۔ ایسے بچے ہم نصابی اور غیر تعلیمی سرگرمیوں میں عمدہ کارکردگی کا مظاہرہ کرتے پائے جاتے ہیں۔ کچھ تکنیکی ذہن رکھتے ہیں، چیزوں کو کھولنے جوڑنے میں ہوشیار ہوتے ہیں۔ بعض کھیل کود میں بہت مہارت کا مظاہرہ کرتے ہیں، کچھ کھیتی باڑی یا جانور وغیرہ پالنے میں دل چسپی رکھتے ہیں، بعض کاروباری صلاحیت سے مالا مال ہوتے ہیں۔ لڑکیوں میں یہ، مثلاً گھر داری کے کاموں میں زیادہ رجحان رکھتی ہیں۔ ان کا ٹیلنٹ تصویر کشی، فیشن ڈیزائننگ یا بیوٹیشن وغیرہ کی ہنر مندی میں ظاہر ہوتا ہے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

ان بچوں کو اگر ان کے طبعی رجحان کے مطابق آگے بڑھنے دیا جائے تو اکثر بہت کامیاب ہوتے ہیں۔ مگر رائج نظام تعلیم میں ہر بچے کو کم از کم دس بارہ سال رسمی تعلیم کی چکی میں پیسنا ضروری سمجھا گیا ہے، حتیٰ کہ غیر تعلیمی شعبہ جات کی ملازمتوں کے لیے بھی کم سے کم معیار تعلیم میٹرک رکھا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک بچہ اگر تعلیمی رجحان نہ رکھتا ہو تو اسے بھی ایک ادنیٰ ملازمت کے لیے دس بارہ سال ناچاہی تعلیم کی مشقت میں بسر کرنا ہوں گے۔ ایک ناگوار کام مسلسل دس بارہ سال کرتے رہنے کی اذیت سے انسانی دماغ پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں، اس کا احساس تک موجود نہیں۔

ایسے ہنر مند افراد کی کثیر تعداد موجود ہے جو اس تعلیمی چکر میں پڑے بغیر اپنی مرضی کا ہنر سیکھ کر اپنے شعبے میں عمدہ کارکردگی کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔ یہ اس بات کا کافی ثبوت ہے کہ پیشہ یا ہنر سیکھنے کے لیے دس بارہ سال کی عمومی رسمی تعلیم کی پابندی غیر ضروری ہے، نہ صرف غیر ضروری ہے، بلکہ تعلیمی رجحان سے عاری بچوں کے لیے بڑی تکلیف اور نقصانات کا سبب بنتی ہے۔

تعلیم سے بچنے کے لیے ایسے بچے جب ردعمل کا مظاہرہ کرتے ہیں تو نکمے اور باغی کہلاتے اور اپنی نظر میں مجرم بنتے اور منفی نفسیات کا شکار ہو جاتے ہیں۔

ایسے بچوں کو زبردستی تعلیم دلا بھی دی جائے تو بہت محنت کے بعد بھی معمولی کارکردگی ہی دکھا پاتے ہیں۔ اعلیٰ تعلیم حاصل کرنا ان کے بس سے باہر ہوتا ہے۔ معمولی تعلیمی کیریئر کی وجہ سے کوئی ڈھنگ کی ملازمت پانے میں بھی ناکام رہتے ہیں اور اپنے طبعی ٹیلنٹ کو برتنے کی مسرت اور اس کے ذریعے سے ممکنہ کامیابی سے بھی محروم رہ جاتے ہیں۔

ایسے تعلیم بےزار طلبہ امدادی کتب سے تیاری کرتے، اسائنمنٹس کاپی کرتے، امتحانات میں نقل کرتے اور شارٹ کٹس کی تلاش میں لگے رہتے ہیں اور کم گریڈز کی وجہ سے مغموم بھی رہتے ہیں۔ اساتذہ اور اداروں کے قیمتی وقت اور وسائل کا بہت بڑا حصہ ان کے تعلیمی نقائص دور کرنے اور سرقے کے حیلوں سے نمٹنے پر لگتا ہے، مگر کامیابی پھر بھی نہیں ملتی۔ ڈگری کی مجبوری ختم کر کے دیکھا جا سکتا ہے کہ کتنے افراد تعلیم کی کٹھنائیوں میں شامل ہونا پسند کریں گے۔

ایسے طلبہ رسمی تعلیم کے علاوہ دیگر کاموں کی صلاحیتیں رکھتے ہیں۔ اگر یہ اپنا قیمتی وقت درست مصرف میں لگائیں، اس اذیت سے بھی بچیں گے اور پیشہ ورانہ زندگی میں بہت جلد مناسب مقام بھی حاصل کر سکتے ہیں۔

پیشہ ورانہ یا ہنر کی تعلیم ہمارے ہاں ثانوی اہمیت کی حامل ہے۔ سائنسز اور پھر سوشل سائنسز کی تعلیم ہی اولین ترجیح ہے۔ ان مضامین میں بہتر کارکردگی نہ دکھا سکنے پر طلبہ کو جب پیشہ ورانہ تعلیم یا کاروبار کی طرف متوجہ کیا جاتا ہے تو تب تک بچے کا بہت وقت ضائع ہو چکا ہوتا ہے۔

بچے کے رجحانات دیکھ کر اس کا فیصلہ پہلے کیا جانا چاہیے کہ اسے تعلیم دلانی ہے تو کس قسم کی تعلیم اس کے طبعی رجحان کے مطابق مفید رہے گی اور اگر تعلیم اس کا میدان ہی نہیں تو پھر کون سا شعبۂ زندگی یا ہنر اس کے لیے بہتر رہے گا۔

دور جدید سے پہلے، تعلیم ہمیشہ سے متوسط طبقے کا مسئلہ اور میدان رہا تھا، اشرافیہ اور غربا بطور طبقہ باقاعدہ رسمی تعلیم حاصل نہیں کیا کرتے تھے۔ البتہ تعلیمی ذوق رکھنے والے حصول تعلیم کا اہتمام انفرادی طور پر کیا کرتے تھے۔ شہنشاہ اکبر کا دربار علم و ہنر میں یکتا نورتنوں سے سجتا تھا، مگر اس رونق افروزی کے لیے خود اکبر کا پڑھا لکھا ہونا ضروری نہ تھا۔ اشرافیہ اپنے وسائل سے وہ میدان سجاتے ہیں جہاں ہنر مند، تعلیم یافتہ متوسط طبقہ اپنے علم و ہنر سے سماج کو مستفید کرتا ہے۔ اشرافیہ کے لیے ڈگری اہم نہیں ہوتی اور ملازمت بھی عموماً وہ کرنا پسند نہیں کرتے۔

لیکن، سماج میں عزت اور معاش کو رسمی تعلیم سے منسلک کر دینے کے بعد اشرافیہ اور غربا بھی تعلیم کے حصول کی دوڑ میں شامل ہو گئے۔ یوں وسائل پر بے جا بوجھ میں اضافہ ہوا۔

تعلیمی اسناد کے حصول کی دوڑ میں سب سے بڑا نقصان غریب کا ہوا۔ وہ اس کوشش میں ہوتا ہے کہ اس کا بچہ پڑھ لکھ کر اچھا کمانے کے قابل ہو جائے اور سماج میں عزت بھی مل جائے۔ اسی کوشش میں وہ اپنے تمام وسائل بچوں کی تعلیم پر خرچ کر دیتا ہے، مگر معیاری تعلیم پھر بھی نہیں دلوا سکتا۔ کسی نمایاں کامیابی کے لیے بچے کی غیر معمولی صلاحیتوں کے ساتھ خوش قسمتی کا ساتھ بھی درکار ہوتا ہے؛ اور ایسے کتنے ہوتے ہیں؟ میٹرک، ایف اے یا بی اے کرنے کے بعد اس کا بچہ اب چھابہ لگانا بھی پسند نہیں کرتا اور نہ کسی دکان پر بیٹھنے کے لیے تیار ہوتا ہے۔ دفتری ملازمت کا خواب تمام عمر ایک ناتمام حسرت بن کر اسے کچوکے لگاتا رہتا ہے۔

حصول تعلیم کی پابندی اچھے کاروباری خاندان کے بچوں کے لیے بھی بعض اوقات ناگوار صورت حال کا باعث بنتی ہے۔ تعلیم کے حصول کے بعد جب وہ ملازمت اختیار کرتے ہیں تو کاروباری آمدنی کے مقابل اپنی کم تر آمدنی والی ملازمت سے بدمزہ ہو جاتے ہیں۔ پھر اگر کاروبار کی طرف رخ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ

بہت دیر ہو چکی۔

ایک اچھا کاروباری ذہن عموماً تعلیم میں بہت اچھا نہیں دیکھا گیا، اور اچھی تعلیمی کارکردگی دکھانے والے اکثر اچھا کاروباری ذہن نہیں رکھتے۔

یہ بھی ایک غلط فہمی ہے کہ تعلیم سے فرد کے سماجی اور سیاسی شعور میں اضافہ ہوتا ہے۔ اس کے برعکس، دیکھا گیا ہے کہ تعلیمی مصروفیات کی زیادتی بچوں کو عملی سمجھ بوجھ سے محروم کرنے کا سبب بھی بنتی ہیں۔ جو بچے تعلیم کی طرف کم رجحان رکھتے ہیں، عملی سمجھ بوجھ میں اکثر فائق نظر آتے ہیں۔ شعور، علم اور تجربہ سے پیدا ہوتا ہے۔ اس کے لیے رسمی تعلیم لازم نہیں ہوتی، خصوصاً طبعی سائنس کی تعلیم کا شعور کے اضافے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ البتہ سماجیات، بشریات اور تاریخ کے علوم سے شعور کی آب یاری میں معاون ہوتے ہیں۔

تعلیم سب کے لیے، یہ غلط فہمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب ایک روایت کی بنا پر بھی پیدا ہوئی، جس میں بیان کیا گیا ہے کہ علم حاصل کرنا ہر مرد و عورت پر فرض ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرض منصبی دین کا ابلاغ تھا، اور آپ کے بیان میں علم سے مراد دین کا علم ہے۔ دنیاوی علوم کی ترغیب کے لیے پیغمبر کی تلقین کی ضرورت نہیں۔ انسان یہ علوم ان ترغیبات کے بغیر بھی اپنی ضروریات کے تحت ہمیشہ سے حاصل کرتا آیا ہے اور کر رہا ہے۔

تعلیم اگر صرف وہی افراد حاصل کریں جو پڑھنے لکھنے کا فطری اور طبعی رجحان رکھتے ہیں تو یہ دستیاب محدود وسائل کا بہتر استعمال ہو سکتا ہے۔ تجویز یہ ہے کہ پرائمری سطح کی تعلیم سب بچوں کے لیے لازم ہونی چاہیے تاکہ وہ بنیادی زبانی مہارتیں سیکھ لیں۔ اس کے بعد بچوں کا رجحان پرکھنے کا جامع طریقۂ کار اختیار کرنا چاہیے۔ اس کے لیے ماہرین تعلیم اور ماہرین نفسیات کی خدمات حاصل کی جائیں۔

صرف منتخب بچوں کو ان کے رجحان کے مطابق رسمی اور پیشہ ورانہ تعلیم کے لیے اگلے مراحل میں بھیجنا چاہیے۔ اس طرح تعلیمی اخراجات میں خاطر خواہ کمی آئے گی اور کم وسائل سے بہتر نتائج حاصل کیے جا سکیں گے۔ دوسری طرف رسمی تعلیم سے باہر ہونے والے بچے اپنے اپنے ٹیلنٹ کے مطابق دیگر پیشوں اور کاروبار میں مشغول ہو کر اپنے اور سماج، دونوں کے لیے مفید ثابت ہوں گے۔ حکومت پر نوکریاں پیدا کرنے کا بوجھ بھی کم ہو جائے گا۔

تعلیم اور ڈگری سے سماجی رتبہ (status symbol) کے حصول کے تصورات کی نفی ضروری ہے۔ فرد

کی عزت اس کے ہنر، خدمات اور کردار کی بنا پر ہونی چاہیے، نہ کہ محض تعلیم کی بنا پر۔

تعلیم کو سماجیات سے عملاً منسلک ہونا چاہیے تاکہ کتاب اور عملی زندگی میں دوری ختم ہو۔ اس کے لیے نظام تعلیم میں عملی سرگرمیوں اور تعلیمی اداروں کی چار دیواری سے باہر کی دنیا کو بھی نصاب کا حصہ بنانا ضروری ہے۔

---

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

خورشید احمد ندیم

سیلاب یا عذاب؟

واعظ ہمیں معاف فرمائیں۔ وہ انسانوں اور ان کے پروردگار کے درمیان حائل نہ ہوں۔ ہمیں اپنے رب کی طرف رجوع کرنے دیں جو رحمٰن ہے اور رحیم بھی۔ جو ہماری شہ رگ سے زیادہ ہم سے قریب ہے۔ ہم اس سے مخاطب ہونے کے لیے کسی واعظ کے محتاج کیوں بنیں؟

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

آسمان اس بار ٹوٹ کے برسا۔ دریا کچھ اس طرح بپھرے کہ اپنی حدوں کو توڑتے ہوئے انسانی بستیوں کی طرف جانکلے۔ دریا کے قرب میں رہنے کی خواہش، لوگوں کو لے ڈوبی۔ یہ عالم اسباب کی دنیا ہے۔ اس پر بھی خدا کی حکمرانی ہے۔ اس نے جس طرح چاند اور سورج کے لیے ایک راستہ طے کر دیا ہے، اسی طرح دیگر مظاہر قدرت کو بھی ایک فطرت کا پابند بنا دیا ہے۔ اس کو وہ اپنی سنت کہتا ہے۔ وہ بالعموم اپنی سنت کو تبدیل نہیں کرتا۔ یہی سبب ہے کہ صدیوں سے آسمان سے اسی طرح چھاجوں مینہ برستا اور دریاؤں کو طغیانی کا راستہ دکھاتا آیا ہے۔

انسان نے تجربے اور مشاہدے سے اللہ کی اس سنت کو سمجھا۔ ایمان کی دولت نصیب ہو جائے تو وہ اس کا انتساب اپنے رب کی طرف کرتا ہے۔ خالق حقیقی کا انکار کر دے تو اسے قوانین فطرت قرار دے دیتا ہے۔ نتیجہ دونوں کا ایک ہی ہے۔ وہ اس سنت یا قوانین کو جب جان لیتا ہے تو اپنے علم کے مطابق ان سے معاملہ کرتا ہے۔ اس کا مشاہدہ، اسے بتاتا ہے کہ سال کے کچھ ایام ایسے ہیں جب آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں اور اتنا پانی برستا ہے کہ زمین جل تھل ہو جاتی ہے۔ ہماری تقویم میں اسے ساون کہا جاتا ہے۔ پھر کچھ دن ایسے بھی آتے ہیں کہ خشک سالی اسے گھیر لیتی ہے۔ اس کی نگاہیں آسمان کی طرف اٹھتیں، ابر کا کوئی ٹکڑا تلاش کرتیں اور پھر ناکام ہو کر لوٹ آتی ہیں۔

جب پانی برستا ہے تو زمین کا دامن تنگ پڑ جاتا ہے۔ پھر انسان خواہش کرتا ہے کہ یہ سلسلہ رک جائے۔ آسمان اگر بادلوں سے خالی ہو جائے تو وہ بارش کے لیے بے چین ہو جاتا ہے۔ اس مشاہدے نے اسے بتایا کہ اگر بارش کے دنوں میں پانی کو کہیں جمع کر لیا جائے تو ایک طرف اس کی فراوانی اور زمین کی تنگ دامنی سے پیدا ہونے والے عذاب کو ٹالا جا سکتا ہے اور دوسری طرف یہ جمع شدہ پانی ان دنوں میں کام آسکتا ہے جب زمین اور اس پر بسنے والے ہر ذی روح کو پانی کی ضرورت ہوتی ہے اور آسمان مہربان نہیں ہوتا۔ اس طرح وہ خدا ہی کی دی ہوئی عقل کو استعمال کر کے، خدا کی اس نعمت کو زحمت بننے سے روک دیتا ہے۔

جب انسان ایسا نہیں کرتا تو پھر آسمان سے اترنے والا پانی سیلاب اور بارشوں کی کمی خشک سالی بن کر، اس کے لیے زندگی کو اجیرن بنا دیتے ہیں۔ انسان، مگر اپنی کوتاہیوں کا اعتراف کم ہی کرتا ہے۔ وہ ہمیشہ ان کا ذمہ دار خارج میں تلاش کرتا ہے۔ ہم نے پانی کو ذخیرہ کرنے کا اہتمام نہیں کیا۔ ہم نے دریا کے کناروں پر اس طرح بستیاں بنائیں کہ دریا کے راستے میں حائل ہو گئے۔ ساون میں، جب پانی آبادیوں کا رخ کرتا ہے تو ہم کبھی بھارت کو ذمہ دار بناتے ہیں کہ وہ اپنے بند کھول دیتا ہے۔ یہ نہ ہو تو ہمارا واعظ، اس کی ذمہ داری اس ہستی پر ڈال دیتا ہے جس کا اعلان ہے کہ اس نے رحمت کو اپنے اوپر لازم کر رکھا ہے۔

آج ہم اپنی کوتاہیوں کی گرفت میں ہیں۔ بلاشبہ، ہمیں اپنے رب سے معافی مانگنی چاہیے اور وہ اس جرم کی کہ ہم نے عقل جیسی نعمت سے فائدہ نہیں اٹھایا۔ ہم نے اس کائنات کے بارے میں خدا کی اسکیم کو نہیں سمجھا۔ ہم نے ان آثار کو نظر انداز کیا جو بار بار ہمیں متنبہ کرتے رہے۔ ہمارے رہنما گروہی مفادات کے اسیر رہے۔ جب ڈیم بنانے کی بات ہوئی تو انھوں نے تنگ نظری اور کوتاہ بینی کا ثبوت دیا۔ کہا گیا ڈیم بنا تو نوشہرہ ڈوب جائے گا۔ اب معلوم ہوا کہ ڈیم نہ بننے کی وجہ سے نوشہرہ ڈوب رہا ہے۔ آج لازم ہے کہ ہم اپنی کوتاہیوں کا ماتم کریں اور اس پر اپنے رب سے معافی مانگیں کہ ہم نے عقل سے کام لیا اور نہ اپنے مشاہدے اور تجربے ہی سے کچھ سیکھا۔

ہمیں اپنے رب پر پورا یقین ہونا چاہیے کہ وہ سچی توبہ کو قبول کرے گا۔ جو کوئی اس کی سنت کو سمجھ کر اس کائنات پر غور کرے گا، وہ یقیناً ان مسائل سے محفوظ رہے گا جو ناسمجھی کا ناگزیر نتیجہ ہیں۔ اگر آج ہم اس تنبیہ سے فائدہ اٹھائیں اور مستقبل کی منصوبہ بندی کریں تو آیندہ بڑی حد تک اس نوعیت کی آفات سے محفوظ رہ سکتے ہیں۔

واعظ کی باتوں کو ایک طرف رکھیے اور یہ دیکھیے کہ جو لوگ اس آفت سے محفوظ رہے، آج ان کی ذمہ داری کیا ہے؟ یہ واقعہ آسودہ حال لوگوں کے لیے آزمایش ہے کہ انھوں نے خدا کے دیے ہوئے وسائل سے، اس کے

ان بندوں پر کتنا خرچ کیا جو اس وقت ضرورت مند ہیں؟ خدا دو طرح سے لوگوں کو آزماتا ہے۔ کچھ چھین کر کہ بندہ کتنا صبر کرتا ہے۔ کبھی کچھ دے کر کہ وہ کتنا شکر کرتا ہے؟ وسائل کا شکر یہ ہے کہ انھیں خدا کی راہ میں اور اس کے بندوں پر صرف کیا جائے۔ قرآن مجید نے آٹھ مصارف کو بیان کیا جس میں سب کچھ شامل ہے۔

اللہ تعالیٰ نے یہ دنیا جزا و سزا کے لیے نہیں بنائی۔ اگر ایسا ہوتا تو اس کا انکار کرنے والے ہمیشہ محروم رہتے۔ ہمارا مشاہدہ یہ ہے کہ عطا کے معاملے میں ایمان شرط نہیں۔ اس عمومی قانون سے، البتہ دو استثنا ہیں: ایک یہ کہ رسول کی مخاطب قوم اگر رسول کا انکار کرے تو اسے دوہری سزا ملتی ہے۔ ایک اس دنیا میں اور ایک آخرت میں۔ اس دنیا کی سزا کو بھی عذاب کہا گیا جو آخری بار مشرکین مکہ پر آیا۔ ختم نبوت کے بعد عذاب کا یہ سلسلہ ختم ہو گیا۔ اب اس جرم کی وجہ سے کوئی عذاب نہیں آئے گا۔ دوسرا استثنا وہ ہے جس کا تعلق مکافات عمل سے ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ دنیا بنا کر، اس کے معاملات سے لاتعلق نہیں ہوا۔ اس میں شبہ نہیں کہ اس نے اپنے آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے سے تکمیل دین کر دی اور اتمام نعمت بھی۔ تاہم وہ کبھی کبھی عالم اسباب میں مداخلت کرتا اور لوگوں کو تذکیر کرتا ہے کہ یہ دنیا عارضی ہے اور ہمیں ایک دن خدا کے حضور میں پیش ہونا اور اپنے اعمال کے لیے جواب دہ ہونا ہے۔ یہ بتانے کے لیے کہ وہ کیسے اس دنیا کے منظر نامے کو لمحوں میں تبدیل کر سکتا اور ایک نئی دنیا آباد کر سکتا ہے، وہ کبھی زمین کے کسی خطے میں نظام حیات کو تہ و بالا کرتا اور انسان کی کم مائگی کو بے نقاب کر دیتا ہے۔ کووڈ (COVID) اور سیلاب، سب اسی کی یاد دہانی ہے کہ اس کائنات کا کوئی خالق اور مالک ہے اور اس پر اسی کا حکم چلتا ہے۔

ہمیں ہر وقت توبہ کرنی چاہیے اور توبہ کا مطلب اپنے رب کی طرف رجوع ہے۔ اس سے کوئی مسلمان غافل نہیں رہ سکتا۔ اس کا کوئی تعلق آفت سے نہیں ہے کہ اس کی آمد پر ہی توبہ کی جائے گی۔ واعظین سے اتنی درخواست ہے کہ وہ حوروں کے خد و خال کے بیان تک ہی محدود رہیں۔ رہی بات بندے اور رب کے تعلق کی تو رب العٰلمین نے اپنے اوپر رحمت کو لازم کر رکھا ہے۔ ان شاء اللہ وہ ہمیں محروم نہیں کرے گا، بشرطیکہ ہم اس کی طرف خوشی اور غمی میں رجوع کرنے والے ہوں، کسی واعظ کے وسیلے کے بغیر۔

(بشکریہ: روزنامہ دنیا، لاہور، ۳۰/ اگست ۲۰۲۲ء)

محمد وسیم اختر مفتی

مہاجرین حبشہ

(۱۲)

[''سیر و سوانح'' کے زیر عنوان شائع ہونے والے مضامین ان کے فاضل مصنفین کی اپنی تحقیق پر مبنی ہوتے ہیں، ان سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔]

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

حضرت فاطمہ بنت صفوان رضی اللہ عنہا

نسب نامہ

کنانہ بن خزیمہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چودھویں جد تھے۔ مشہور روایت کے مطابق کنانہ کے چار بیٹے تھے: مالک، نضر، ملکان اور عبد مناۃ۔ طبری نے اضافہ کر کے ان کی تعداد پندرہ بتائی ہے۔ نضر بن کنانہ کو قریش اکبر مانا جاتا ہے، انھی کی اولاد قریش کہلاتی ہے، آپ کے گیارھویں جد فہر بن مالک کو قریش اوسط اور پانچویں جد قصی بن کلاب کو قریش اصغر کہا جاتا ہے۔ کنانہ بن خزیمہ کے باقی بیٹوں کی اولاد کنانی کہلاتی ہے۔

حضرت فاطمہ بنت صفوان بنو کنانہ کی فرع بنو مخدج سے تعلق رکھتی تھیں۔ ان کے دادا کا نام امیہ بن محرث تھا۔ مخدج بن عامر ان کے ساتویں، جب کہ مالک بن کنانہ گیارھویں جد تھے۔ کنانہ پر ان کا شجرہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے شجرۂ نسب سے جا ملتا ہے۔ حضرت اسمٰعیل کے بیٹے قیدار یا نابت کی اولاد میں سے عدنان بن ادد حضرت فاطمہ کی انیسویں پشت پر تھے۔ اموی حکمران مروان بن الحکم کی والدہ آمنہ بنت علقمہ حضرت فاطمہ بنت صفوان کی بھتیجی تھیں۔ حضرت ابو بکر کی اہلیہ حضرت ام رومان بنو کنانہ کی فرع بنو فراس سے تعلق رکھتی تھیں۔

بیعت ایمان

حضرت فاطمہ بنت صفوان کے جیٹھ حضرت خالد بن سعید 'السّٰبقون الأولون' میں شامل تھے، جب کہ ان کے شوہر حضرت عمرو بن سعید کی اپنے مشرک باپ سے محبت دین حق کی قبولیت میں رکاوٹ بنی رہی۔ اسلام کے بڑھتے ہوئے نفوذ سے گھبرا کر سعید بن العاص مکہ چھوڑ گئے تو حضرت عمرو کا دل ایمان کے لیے وا ہو گیا۔ وہ کچھ دنوں کے بعد یا بعض روایات کے مطابق حضرت خالد بن سعید کے دو سال بعد مشرف بہ اسلام ہوئے، اس لیے انھیں 'السّٰبقون إلی الإسلام' کی فہرست میں جگہ نہ مل سکی۔

واقعات کے تسلسل سے پتا چلتا ہے کہ حضرت فاطمہ بنت صفوان انھی دنوں میں حضرت عمرو بن سعید کے عقد میں آئی ہوں گی اور ان کے ساتھ ہی بیعت ایمان کی ہو گی۔

حبشہ کی طرف ہجرت

رجب ۵/ نبوی: مکہ کے مشرک سرداروں نے اپنے زیر اثر مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا تو نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کم زوروں کو سرزمین حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت دے دی۔ چنانچہ حضرت فاطمہ بنت صفوان اپنے شوہر حضرت عمرو بن سعید کے ساتھ حبشہ روانہ ہو گئیں۔ ابن عبدالبر، ابن ہشام اور ابن کثیر کا کہنا ہے کہ حضرت فاطمہ اور حضرت عمرو نے اپنے بھائی حضرت خالد بن سعید اور بھابھی حضرت امینہ بنت خلف کے ساتھ سفر ہجرت طے کیا، جب کہ حضرت خالد بن سعید کی بیٹی حضرت ام خالد بتاتی ہیں کہ میرے چچا حضرت عمرو میرے والد کے ہجرت کرنے کے کچھ دنوں (ابن اثیر، مستدرک حاکم، رقم ۵۰۴۸) یا دو سال کے بعد (ابن سعد، ابن حجر) حبشہ پہنچے۔

حبشہ میں

حبشہ میں داخل ہونے کے بعد مہاجرین ملک میں پھیل گئے۔ ان میں سے زیادہ تر موجودہ ادیس ابابا سے چار سو نوے میل (سات سو نوے کلو میٹر) دور واقع نجاش (Negash) کے قصبے میں مقیم رہے، کچھ سمندر پار کر کے مشرقی ایشیا پہنچے، ایک شاذ روایت کے مطابق چند نے صومالیہ کی راہ لی۔

پیام اجل

حضرت فاطمہ بنت صفوان کی زندگی نے وفا نہ کی۔ انھوں نے حبشہ میں جلد ہی وفات پائی اور ان کی کوئی اولاد

بھی نہ ہوئی۔

قیام حبشہ کے دوران میں سات صحابہ اور تین صحابیات نے انتقال کیا۔ عبیداللہ بن جحش آٹھویں مرد تھے جو نصرانی ہو کر فوت ہوئے۔ سب سے پہلے حضرت عدی بن نضلہ نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ شاہ نجاشی نے خود ان کی تدفین کی۔ مسجد نجاشی کے عقب میں شارع صحابہ پر واقع احاطے میں پندرہ صحابہ کے مزارات اب بھی موجود ہیں۔ حضرت نجاشی کی قبر سے ملی ہوئی دس صحابہ اور پانچ صحابیات کی قبریں ہیں جن میں سے حضرت فاطمہ بنت صفوان، حضرت عدی بن نضلہ، حضرت حاطب بن حارث، حضرت حطاب بن حارث، حضرت عبداللہ بن حارث، حضرت سفیان بن معمر، حضرت عروہ بن عبدالعزیٰ اور حضرت مطلب بن ازہر کی قبروں کی شناخت ممکن ہے۔

موجود مسجد نجاشی کو ۱۹۶۰ء سے ۱۹۹۳ء تک جاری رہنے والی خانہ جنگی میں شدید نقصان پہنچا تو ترکی کی فلاحی تنظیم ''TIKA'' نے اس کی تعمیر نو کی، مسجد کے عقب میں شارع صحابہ کو بحال کیا اور اس پر واقع پندرہ صحابہ کے مزارات کی مرمت کی۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

شوہر کی حبشہ سے واپسی

اہلیہ کی وفات کے بعد حضرت عمرو بن سعید اپنے بھائی حضرت خالد بن سعید اور ان کے کنبے کے ساتھ ۷ھ میں حبشہ سے آنے والے آخری قافلے کے ساتھ مدینہ پہنچے۔

مطالعۂ مزید: السیرۃ النبویۃ (ابن ہشام)، الطبقات الکبریٰ (ابن سعد)، اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ (ابن اثیر)، البدایۃ والنہایۃ (ابن کثیر)، الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ (ابن حجر)۔

حضرت معیقیب بن ابو فاطمہ رضی اللہ عنہ

نسب نامہ

حضرت نوح علیہ السلام کی ذریت میں سے قحطان کو ابوالیمن کہا جاتا ہے۔ قحطان کی اولاد میں سے عامر بن یشجب نے یمن میں عظیم مملکت سبا قائم کی اور خود بھی سبا کا لقب پایا۔ کہلان بن سبا ازد بن غوث کے پر دادا تھے

جن کے نام سے عرب قبیلہ بنو ازد موسوم ہوا۔ حمیر بن سبا کہلان کے چھوٹے بھائی تھے۔ عرنجج نام تھا، عام طور پر سرخ لباس پہنتے تھے، اس لیے حمیر کے لقب سے ملقب ہوئے۔ ازد کی اولاد مختلف مقامات پر پھیل گئی جس سے بنو ازد چار شاخوں میں منقسم ہو گئے: ازد شنوءہ، ازد غسان، ازد السراۃ اور ازد عمان۔ دوس اور غامد ازد شنوءہ کے مشہور ذیلی قبائل تھے۔ حضرت معیقیب بن ابو فاطمہ کا تعلق دوس سے تھا، اسی لیے وہ دوسی کہلاتے ہیں اور ان کو ازدی بھی کہا جاتا ہے۔ شاذ روایت کے مطابق وہ ذواصبح یا بنو سدوس سے تھے۔ اصبح کے معنی ہیں: سرخی مائل بالوں والا۔ ابن منظور کہتے ہیں: ذو اصبح حمیر کے بادشاہ تھے (لسان العرب ۲/۵۰۷)۔ حضرت معیقیب کا نام معیقب بھی لکھا گیا ہے۔

بیعت ایمان

حضرت معیقیب اسلام کے ابتدائی دور میں مکہ میں مسلمان ہوئے۔

ہجرت حبشہ

حضرت معیقیب کے حلیف سعید بن العاص نے قبول اسلام کی پاداش میں اپنے سگے بیٹے حضرت خالد پر خوب تشدد کیا تھا تو حضرت معیقیب کو کیا کچھ نہ کہا ہو گا۔ جب مکہ کے ضعیف مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ ہو گیا تو حضرت معیقیب نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت پر حبشہ کی ہجرت ثانیہ میں حصہ لیا۔ سیر صحابہ کے تمام مرتبین انھیں مہاجرین حبشہ میں شمار کرتے ہیں۔ تاہم بعض روایات کے مطابق نعمت اسلام پانے کے بعد وہ اپنی قوم میں واپس چلے گئے اور حضرت ابو موسیٰ اشعری اور دیگر اشعریوں کے ساتھ حبشہ پہنچے۔

مدینہ کی طرف رجوع

حضرت معیقیب دیگر مہاجرین کے ساتھ آخر تک حبشہ میں مقیم رہے۔ ۷ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو بن امیہ ضمری کو حبشہ بھیجا تو شاہ نجاشی نے مہاجرین کی واپسی کے لیے دو کشتیاں مہیا کیں جن میں سولہ اصحاب، تین صحابیات اور تین بچے سوار ہو کر حجاز کے ساحل پر پہنچے اور وہاں سے مدینہ کا سفر طے کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتح خیبر سے فارغ ہوئے تو مہاجرین کا استقبال کیا۔

ایک روایت کے مطابق حضرت معیقیب کشتی سواروں سے پہلے مدینہ لوٹ آئے۔

مدینہ کی زندگی

حضرت معیقیب نے غزوۂ خیبر میں آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بھرپور ساتھ دیا۔ابن مندہ کی روایت درست نہیں کہ انھوں نے جنگ بدر میں شرکت کی، کیونکہ تب وہ مدینہ میں موجود ہی نہ تھے۔ حضرت معیقیب بیعت رضوان میں شریک ہوئے۔انھوں نے بعد کے معرکوں میں بھی حصہ لیا۔ابن کثیر نے کاتبین وحی میں حضرت معیقیب بن ابو فاطمہ کا نام شامل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ وہ آپ کی انگوٹھی کی حفاظت کرتے تھے۔

عہد صدیقی

حضرت ابو بکر نے حضرت معیقیب بن ابو فاطمہ کو مال فے کا نگران مقرر کیا۔

عہد فاروقی

خلیفۂ دوم حضرت عمر نے حضرت معیقیب کو بیت المال کا خازن مقرر کیا۔

عطاے فاروقی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں رہنے والے یہودیوں کے ساتھ امن وسلامتی سے رہنے کے معاہدات کیے، لیکن جب انھوں نے بدر و احد کی جنگوں میں مشرکوں کی مدد کر کے عہد شکنی کی تو آپ نے قتال کر کے انھیں مدینہ سے نکال باہر کیا۔ محض خیبر میں کچھ یہودی رہ گئے جو نصف پیداوار دینے کی شرط پر اپنی زمینیں کاشت کرنے کے لیے آزاد تھے۔ نجران کے عیسائیوں سے بھی آپ نے جزیہ وصول کرنے کی شرط پر صلح فرمائی۔ خلافت صدیقی میں یہ معاہدے برقرار رہے۔ حضرت عمر فاروق نے خلیفہ بننے کے بعد ان معاہدوں پر نظر ثانی کی ضرورت محسوس کی، ان کی دلیل تھی کہ آپ نے حیات مبارکہ کے آخری دور میں نصیحت فرمائی تھی: جزیرۂ عرب سے مشرکوں کو نکال باہر کرو (بخاری، رقم ۳۱۶۸۔ مسلم، رقم ۴۲۴۱)۔آپ نے یہ صراحت بھی فرمائی: حجاز کے یہودیوں اور نجران کے عیسائیوں کو جزیرۂ عرب سے نکال دو (احمد، رقم ۱۶۹۱۔ السنن الکبریٰ، بیہقی، رقم ۱۸۷۴۹۔ مصنف ابن ابی شیبہ، رقم ۳۳۶۶۲)۔ یہ فرمان نبوی حضرت عمر نے خود اپنے کانوں سے سنا: میں جزیرۂ عرب سے یہود و نصاریٰ کو نکال دوں گا، حتیٰ کہ صرف مسلمان رہنے دوں گا (مسلم، رقم ۴۶۱۶)۔ یہی روایت دوسرے الفاظ میں ہے: جزیرۂ عرب میں دو دین اکٹھے نہ رہیں گے (احمد، رقم ۲۶۳۵۲۔ موطا امام مالک،

رقم ۲۸۱۷۔ السنن الکبریٰ، بیہقی، رقم ۱۸۷۵۱)۔

عہد فاروقی میں جزیرہ نماے عرب کی وحدت قائم ہو چکی تھی، اس لیے پیغمبر علیہ السلام کے اس فرمان پر عمل کرنا ممکن ہو گیا تھا۔ چنانچہ حضرت عمر فاروق نے یمن کے گورنر حضرت یعلیٰ بن امیہ کو ذمہ داری سونپی کہ نجران کے عیسائیوں میں سے جو اپنے دین پر قائم رہنا چاہتا ہے، اسے حدود عرب سے نکال کر یمن یا جزیرۂ عرب کے نواح میں آباد کر دیا جائے۔ انھوں نے تلقین کی کہ اہل نجران کی مذہبی آزادی اور جان و مال کا تحفظ کیا جائے اور انھیں ویسی ہی یا اس سے بہتر زمینیں دی جائیں، جس طرح کی وہ حدود عرب میں رکھتے تھے۔ عیسائیوں کے بعد حضرت عمر نے خیبر کے یہودیوں کو بھی جزیرۂ عرب سے باہر آباد ہونے کا حکم دیا تو کسی کو حیرت نہ ہوئی، کیونکہ یہ ان کے اسی فیصلے کا اطلاق تھا۔

یہود خیبر سے نکل گئے تو خیبر سے تیما تک کی وسیع وادی جس میں کئی بستیاں آباد تھیں، اس لیے وادی القریٰ کہلاتی تھی، خالی ہو گئی۔ حضرت عمر نے یہ وادی تیس سے زیادہ صحابہ میں بانٹ دی۔ انھوں نے ایک بڑا حصہ حضرت معیقیب کو عطا کیا۔

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

مرض جذام (leprosy)

عہد فاروقی میں حضرت معیقیب کو کوڑھ (leprosy) کا مرض لاحق ہو گیا۔ حضرت عمر ان کا علاج کرانے کے لیے برابر کسی طبیب کی تلاش میں رہے۔ یمن سے دو ملاقاتی ان کے پاس آئے تو دریافت کیا: کیا تمھارے ہاں اس نیک انسان کا علاج ہے؟ جذام اس میں تیزی سے سرایت کر رہا ہے۔ انھوں نے جواب دیا: اس مرض کو ختم کرنا ہمارے بس میں نہیں، البتہ ہم ایسی دوا دیں گے جو اس کا مزید پھیلاؤ روک دے گی۔ حضرت عمر نے کہا: یہ بڑی صحت یابی ہو گی۔ یمنیوں نے پوچھا: کیا آپ کی سرزمین میں حنظل (اندرائن، citrullus colocynthis) پیدا ہوتا ہے؟ جواب دیا: ہاں۔ کہا: اکٹھا کر لائیں۔ چنانچہ دو بڑے ٹوکرے بھر کر رکھ دیے گئے۔ انھوں نے ایک ٹوکرا دو حصوں میں بانٹ کر حضرت معیقیب کو پہلو کے بل لٹا دیا۔ دونوں یمنیوں نے حضرت معیقیب کا ایک ایک پاؤں پکڑ لیا اور تلووں پر حنظل (اندرائن) ملنے لگے۔ ایک پھل ختم ہو جاتا تو دوسرا لے لیتے۔ انھوں نے یہ عمل جاری رکھا، لیکن جب دیکھا کہ حضرت معیقیب کے ناک اور منہ سے سبز صفرا جاری ہو گیا ہے تو چھوڑ دیا۔ اور حضرت عمر سے کہا: اب ان کی تکلیف میں کبھی اضافہ نہ ہو گا۔ اللہ کا کرنا ایسا ہی ہوا، حضرت معیقیب کی بیماری رک گئی اور ان کی وفات تک اس میں شدت نہ آئی۔

حضرت عبداللہ بن جعفر کہتے ہیں: حضرت عمر بن خطاب ایک برتن میں پانی حضرت معیقیب کو پینے کے لیے دیتے، جب وہ پی لیتے تو اسی برتن میں اس جگہ منہ لگا کر خود پیتے جہاں سے انھوں نے پیا ہوتا۔ وہ چھوت کا تاثر دور کرنے کے لیے ایسا کرتے۔ ایک بار انھوں نے کچھ لوگوں کو کھانے پر بلایا۔ حضرت معیقیب بھی موجود تھے، اس لیے لوگ دستر خوان پر بیٹھنے سے گھبرانے لگے، لیکن حضرت عمر نے کھانا جاری رکھا اور حضرت معیقیب کو نصیحت کرنے لگے: اپنے پاس سے اور اپنی جانب سے کھاؤ۔ ایک رات کو حضرت عمر کے لیے کھانا رکھا گیا کچھ اور لوگ بھی شریک تھے۔ انھوں نے حضرت معیقیب کو پاس بٹھا لیا اور کہا: تمھارے علاوہ کوئی اور ہوتا تو میرے ساتھ مل کر ایک تھالی میں کھانا نہ کھاتا، میرے اور اس کے درمیان نیزہ بھر فاصلہ ہوتا۔

عہد عثمانی اور انگشت رسالت

حضرت معیقیب کے پوتے ایاس بن حارث روایت کرتے ہیں کہ حضرت معیقیب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی کی نگرانی پر مامور تھے (ابوداؤد، رقم ۴۲۲۴۔ نسائی، رقم ۵۲۰۸)۔ لیکن اسی روایت میں ان کا یہ کہنا کہ بسا اوقات انگوٹھی میرے ہاتھ میں رہتی تھی، اشارہ کرتا ہے کہ یہ عہد نبوی کے بعد کی بات ہے۔

مشہور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سرکاری انگوٹھی حضرت عثمان کے ہاتھ سے بیر اریس میں گری۔ لیکن چونکہ یہ انگوٹھی حضرت معیقیب کی نگرانی میں تھی اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ ان کے ہاتھ سے کنویں میں گری (مسلم، رقم ۵۵۲۸)۔ شاید تب تک جذام کے اثرات ختم ہو گئے ہوں اور وہ انگوٹھی پہنتے ہوں۔

انگشت رسالت اور انگشتر سلیمان

ابن اثیر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی کی گم شدگی کے اثرات کا حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگشتری سے موازنہ کیا ہے۔ کہتے ہیں کہ حضرت سلیمان کی انگوٹھی گم ہونے کے بعد ملک شام میں فتنہ وفساد برپا ہوا، جب کہ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موروثی انگوٹھی گم ہونے کے بعد خراسان سے لے کر مراکش تک عالم اسلام سے اتفاق جاتا رہا اور پورا خطہ فتنوں کی آماج گاہ بن گیا (اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ ۴/ ۴۰۳)۔

حضرت سلیمان کی انگوٹھی پر اسم اعظم کندہ تھا اور اسی سے وہ جن وانس پر حکومت کرتے تھے۔ ایک بار رفع حاجت کے لیے گئے تو انگوٹھی اپنی ام ولد امینہ (دوسری روایت: سب سے زیادہ قابل اعتماد بیوی جرادہ) کو پکڑا دی۔ صخر (دوسری روایت: حبقیق) نامی شیطان نے ورغلا کر انگوٹھی اس سے لے لی۔ حضرت سلیمان

تخت و سلطنت سے محروم ہو گئے اور شیطان نے ان کا روپ دھار کر حکومت چلانا شروع کر دی۔ حضرت سلیمان کو ہر کسی نے پہچاننے سے انکار کر دیا تو وہ ساحل سمندر پر چلے گئے، مچھلیاں ڈھوتے تو معاوضے کے طور پر دو مچھلیاں ملتیں۔ ایک کو بیچ کر روٹی لے لیتے اور دوسری پکا کر کھا لیتے۔ ادھر حضرت سلیمان کے مصاحب آصف بن برخیا اور بنی اسرائیل کے سرکردہ لوگوں کو شیطان کے طرز حکمرانی پر شبہ ہوا اور انھوں نے تورات کھول کر سنانا شرع کر دی۔ شیطان نے دیکھا کہ راز افشا ہونے لگا ہے تو مجلس سے اڑا اور انگوٹھی سمندر میں پھینک دی، اللہ کے حکم پر ایک مچھلی نے اسے نگل لیا۔ حضرت سلیمان کو ساحل پر چالیس روز گزر چکے تھے کہ روزانہ ملنے والی مچھلیوں میں سے ایک کے پیٹ سے انگوٹھی برآمد ہوئی۔ اس طرح ان کو سلطنت و حکومت دوبارہ مل گئی۔ انھوں نے شیطان صخر (یا حبقیق) کو لوہے کے صندوق میں بند کر کے، قفل اور مہر لگوا کر سمندر میں پھینکوا دیا (تاریخ الامم والملوک ۱/۲۹۵۔ الکامل فی التاریخ ۱/۲۰۸-۲۰۹۔ بحار الانوار، باقر مجلسی ۶/۲۴۱)۔

شیعہ عقیدے کے مطابق یہ انگشتری حضرت سلیمان کے بعد مختلف نبیوں سے ہوتے ہوئے شیعہ اماموں کے پاس آ گئی اور اب امام مہدی کے پاس ہے۔ ان کا ظہور ہو گا تو منظر عام پر آ جائے گی (ویکی شیعہ، فارسی: انگشتر سلیمان)۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

وفات

مشہور روایت کے مطابق حضرت معیقیب نے عہد عثمانی کے آخر میں وفات پائی تاہم ایک روایت کے مطابق ان کا انتقال حضرت علی کے عہد خلافت میں ۴۰ھ میں ہوا۔

روایت حدیث

حضرت معیقیب سے سات احادیث مروی ہیں جو انھوں نے خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سماع کیں۔ ان کے بیٹوں محمد، حارث اور پوتے ایاس بن حارث نے ان سے حدیث روایت کی۔ ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن بھی حضرت معیقیب سے روایت کرنے والوں میں شامل ہیں۔

حضرت معیقیب بن ابو فاطمہ کی یہ روایت کثرت سے نقل کی گئی ہے۔ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس شخص کے بارے میں استفسار کیا جو نماز میں سجدہ کرتے ہوئے مسجد کی مٹی ہموار کرتا ہے؟ آپ نے جواب فرمایا: اگر ایسا کرنا ضروری ہے تو ایک بار کر لے (بخاری، رقم ۱۲۰۷۔ مسلم، رقم ۱۱۵۶۔ ابوداؤد، رقم ۹۴۶۔

ترمذی، رقم ۳۸۰۔ نسائی، رقم ۱۱۹۳۔ ابن ماجہ، رقم ۱۰۲۶۔ احمد، رقم ۱۵۵۰۹۔ صحیح ابن حبان، رقم ۲۲۷۵۔

حضرت معیقیب بن ابو فاطمہ کے آزاد کردہ ابو راشد نے پوچھا: کیا بات ہے کہ میں نے آپ کو اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث بیان کرتے نہیں سنا، جیسے دوسرے اصحاب بیان کرتے ہیں؟ فرمایا: واللہ، میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان صحابہ میں سے ہوں جنھیں شروع سے آپ کی صحبت میں رہنے کا شرف حاصل ہوا، لیکن زیادہ خاموش رہنا زیادہ بولنے سے بہتر ہے۔

مطالعۂ مزید: السیرۃ النبویۃ (ابن ہشام)، الطبقات الکبریٰ (ابن سعد)، المنتظم فی تواریخ الملوک والامم (ابن جوزی)، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب (ابن عبد البر)، اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ (ابن اثیر)، الکامل فی التاریخ (ابن اثیر)، تہذیب الکمال فی اسماء الرجال (مزی)، سیر اعلام النبلاء (ذہبی)، البدایۃ والنہایۃ (ابن کثیر)، الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ (ابن حجر)۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

ابو یحییٰ

تباہی سے بچنے کا راستہ

دور جدید کی مسلم فکری قیادت اور ان سے متاثر لوگوں کا ایک بہت بڑا مسئلہ یہ ہو گیا ہے کہ جب بھی انھیں ان کی غلطیوں پر توجہ دلائی جاتی ہے، وہ اپنی ہر غلطی کا اصل قصوروار دوسروں کو ٹھیرا کر خود اطمینان سے بری ہو جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر ایک دفعہ راقم کی ایسے ہی ایک صاحب سے گفتگو ہو رہی تھی۔ وہ مسلمانوں کی ہر غلطی کا الزام دوسروں پر ڈالتے جا رہے تھے۔ آخر کار جب راقم نے ان سے پوچھا کہ ہمارے یہاں جو دودھ والے دودھ میں پانی ملاتے ہیں تو کیا یہ بھی امریکی سازش ہے؟ انھوں نے بغیر کسی ہچکچاہٹ کے فوراً کہا: بالکل، یہ بھی امریکی سازش کا نتیجہ ہے۔

یہی وہ پس منظر ہے جس میں پاکستان اور دیگر ممالک میں جاری دہشت گردی جو اسلام اور جہاد جیسے مقدس ناموں پر کی جاتی ہے اور جس میں بے گناہ معصوم لوگ مارے جاتے اور اسلام بدنام ہوتا ہے، اس کے جواب میں بھی لوگ اطمینان سے اسی طرح کی توجیہات پیش کرتے رہتے ہیں۔ یہی وہ فکری حمایت ہے جو دہشت گردی کو مسلسل طاقت فراہم کر رہی ہے۔

ان تمام توجیہات کا بنیادی فلسفہ اس طرح پیش کیا جاتا ہے کہ چونکہ مغربی قوتوں نے ہمارے بعض علاقوں پر قبضہ کر لیا ہے اور وہ ہمارے خلاف سازشیں کرتے رہتے ہیں، اس لیے ان کے خلاف ہر اخلاقی حدود سے ماورا ہو کر کوئی قدم اٹھانا بالکل جائز ہے۔ اس عمل میں عام لوگوں کی جان، مال، آبرو جاتی ہے تو جایا کرے، دشمن کا تو کچھ نہ کچھ نقصان ہو جاتا ہے۔ چنانچہ یہی وہ پس منظر ہے جس میں خودکشی کے فعل حرام ہونے کے باوجود

خود کش حملوں کے جواز اور ان حملوں میں معصوم لوگوں کی جان لینے تک کے جواز پر باقاعدہ علمی بحثیں کی گئیں اور اگر مگر کی ڈھال سے ایسے لوگوں کا بھرپور دفاع کیا گیا۔

ہم بار بار مسلم لیڈرشپ کو یہ توجہ دلاتے رہے ہیں کہ وہ جو کچھ کہہ رہے ہیں اور کر رہے ہیں، اسے کھیل نہ سمجھیں۔ اسلام کے نام پر کھڑے ہو کر مسلمہ اسلامی اور اخلاقی اقدار کی اس طرح پامالی کے نتائج انتہائی خوف ناک نکلیں گے۔ مسلمان ختم نبوت کے بعد اس دنیا میں ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیا کے قائم مقام ہیں۔ جن لوگوں نے قرآن کریم اور خاص کر حضرت یونس علیہ السلام کے واقعے کو پڑھا ہے، وہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کھڑا ہوا کوئی شخص اگر اپنی ذمہ داری میں ذرا بھی آگے پیچھے ہو جائے تو پھر وہ کس طرح مچھلی کے پیٹ میں بند کر دیا جاتا ہے اور جب تک یک طرفہ طور پر معافی نہ مانگے، رہائی نہیں ملتی۔ مسلمان توبہ کر کے اپنے اخلاق کو بہتر تو کیا کرتے، انھوں نے مسلمہ اخلاقیات کی پامالی کو سند جواز بخشنا شروع کر دیا۔ جس کے بعد دور جدید کے مسلمان بھی مسائل کی ایسی ہی وہیل مچھلی کے پیٹ میں بند ہو چکے ہیں۔

دور جدید کے مسلمانوں کے مسائل کا آغاز انیسویں صدی میں پیش آنے والے مسئلے کو بالکل غلط طور پر سمجھنے سے شروع ہوا۔ اس دور میں دنیا بھر کے مسلم علاقوں پر مغربی طاقتوں نے قبضہ کر لیا۔ مسلم لیڈرشپ نے اس مسئلے کو یک طرفہ طور پر مغربی ممالک کی عیاری اور ظلم کے کھاتے میں ڈال دیا، حالاں کہ یہ ایک سنت الٰہی کا ظہور تھا۔ یہ سنت پچھلے چار ہزار برس سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد اور ان کے متعلقین کے بارے میں جاری ہے۔ مسلمانوں کے موجودہ زوال سے قبل، پہلے یہودی اور پھر عربوں کی قیادت میں مسلمان اس سنت کی زد میں آتے رہے ہیں۔

سنت یہ ہے کہ یہ لوگ ایمان اور عمل صالح کی زندگی اختیار کریں گے تو ان کو زمین پر غلبہ و اقتدار عطا کر دیا جائے گا۔ جب نافرمانی کریں گے تو ان پر بطور سزا غیر ملکی حکمران مسلط کر دیے جائیں گے۔ یہود کی تاریخ میں آنے والی دو عظیم بربادیاں جن کا ذکر سورۂ بنی اسرائیل کے آغاز میں ہوا ہے، اسی بنا پر نازل ہوئیں۔ چنانچہ پہلی دفعہ بخت نصر اور دوسری دفعہ ٹائٹس رومی کے ہاتھوں لاکھوں یہود قتل کیے گئے اور فلسطین پر ان کا قبضہ ہو گیا۔

مسلمانوں کی تاریخ میں بھی کم و بیش ایسی ہی دو عظیم بربادیاں وجود میں آئیں۔ پہلی تاتاریوں کے ہاتھوں اور دوسری دفعہ موجودہ دور میں مغربی اقوام کے ہاتھوں مسلمانوں کی مغلوبیت خدا کی اسی سنت کا ظہور ہے۔ مگر بد قسمتی سے مسلمانوں نے اس سنت کو نہیں سمجھا۔ اس کے بجائے انھوں نے بعض اہل علم کی اس اجتہادی غلطی کو اپنا ہدف بنا لیا کہ غلبہ و اقتدار یا موجودہ دور کی مذہبی اصطلاح میں خلافت کی جدوجہد کرنا دین کا نصب العین

ہے۔ ہمارے بزرگوں کی یہ علمی غلطی ہمالیہ جیسی عظیم غلطی تھی، مگر مسلمانوں کے مزاج کے موافق تھی، اس لیے لوگوں نے اس کو قبول کر لیا۔ ان بزرگوں کے بعد جب اخلاقی طور پر پست لوگ اس غلطی کے وارث بنے تو یہ غلطی وہ جرم بن گئی جس کے نتیجے میں اسلام دنیا میں بدنام ہوتا ہے اور معصوم لوگ اسلام کے نام پر مارے جاتے ہیں، جب کہ حقیقت یہ ہے کہ اس نظریے کے حق میں پورے قرآن میں ایک آیت بھی موجود نہیں ہے، بلکہ قرآن مجید اس کے بالکل برعکس وہ بات کہتا ہے جو ہم نے اوپر بیان کی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے عمل صالح کیا، اللہ کا ان سے وعدہ ہے کہ وہ انھیں زمین میں اقتدار عطا کرے گا، جیسا کہ ان سے پچھلے لوگوں کو عطا کیا تھا۔'' (النور ۲۴: ۵۵)

دیکھ لیجیے، اس آیت میں اللہ تعالیٰ یہ نہیں کہہ رہے کہ تم خلافت اور اقتدار کی جدوجہد کرو۔ وہ یہ کہہ رہے ہیں کہ ایمان لانے اور عمل صالح کرنے والوں کو وہ اقتدار دیں گے، جیسا کہ پہلے وہ دیتے رہے ہیں۔ قرآن مجید اس قانون کو بیان ہی نہیں کرتا، بلکہ ماضی میں بنی اسرائیل اور اُس دور میں موجود صحابۂ کرام کے حوالے سے اس کے نتائج کو پوری طرح تاریخ میں کام کرتا ہوا دکھاتا ہے۔ ہم نے اپنی کتاب ''آخری جنگ'' میں بہت تفصیل سے اس پورے تاریخی اور قرآنی پس منظر کو بیان کیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ قانون قرآن، سابقہ صحف سماوی اور تاریخ میں اتنے واضح طور پر بیان ہوا ہے کہ کوئی شخص جو خالی الذہن ہو کر قرآن کو پڑھے گا، وہ کبھی اس کو سمجھنے میں غلطی نہیں کرے گا۔ قانون یہ ہے کہ غلبہ و اقتدار، ایمان اور عمل صالح کا بدلہ ہے۔ یہ نہیں کہ اپنی ذات میں کوئی مقصد یا ہدف ہے جسے مسلمانوں کے سامنے رکھا گیا ہے۔ قرآن واضح کرتا ہے کہ صحابہ نے اس دعوت کو قبول کیا تو اللہ نے ان سے اقتدار کا وعدہ کیا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ یہ وعدہ پوری طرح نبھایا گیا۔ خلافت راشدہ کی شکل میں اس وعدہ کا ظہور تاریخ کے صفحات پر رقم ہے۔

یہی نہیں قرآن مجید ان سازشوں کو بھی زیر بحث لاتا ہے جن کے ذکر سے آج کے مسلمان کی زبان نہیں تھکتی۔ قرآن بتاتا ہے کہ کفار رسولوں کے خلاف وہ سازشیں کرتے تھے کہ پہاڑ اپنی جگہ سے ہل جائیں، مگر وہ صحابۂ کرام کو ان سازشوں کے خلاف کوئی مہم چلانے پر آمادہ نہیں کرتا۔ وہ کہتا ہے کہ اگر تم صبر کرو گے اور تقویٰ اختیار کرو گے تو ان کی سازشیں تمھارا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں۔ اس کے برعکس جب مسلمانوں کو جنگ احد اور جنگ حنین میں وقتی شکست اٹھانی پڑی تو قرآن نے فوراً توجہ دلائی کہ یہ ایمان و اخلاق کے تقاضوں کو پامال کرنے کا نتیجہ تھا۔

چنانچہ جو لوگ اب اپنی غلطیوں کے جواب میں غیر مسلموں کی سازشوں کو وجہ جواز بناتے ہیں، ان کا مقدمہ

قرآن کی روشنی میں بالکل باطل ہے۔ اور اسی روش کا نتیجہ ہے کہ مسلمانوں کے موجودہ زوال کو دو سو برس گزرنے کے باوجود مسلمانوں کی تباہی اور ذلت کے دن ختم نہیں ہوتے۔ موجودہ دور میں مسلمانوں کی پے در پے تباہیوں کا اصل باعث بھی یہی چیز ہے۔

ایک آخری بات جو سب سے زیادہ اہم ہے، اس مضمون کو ہم اسی پر ختم کرنا چاہتے ہیں۔ تاریخ یہ بتاتی ہے کہ یہود پر آنے والی جن دو عظیم تباہیوں کا ذکر قرآن نے کیا ہے، وہ اپنی شدت میں بہ تدریج بڑی تھیں۔ اور ان کا آخری مرحلہ وہ تھا کہ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسے لوگ کھڑے ہو گئے جو یہود کو اللہ تعالیٰ کا قانون پوری طرح کھول کر سمجھا رہے تھے، مگر بجاے اس کے کہ وہ بات سمجھتے، الٹا وہ ان سمجھانے والوں کے دشمن بن گئے۔ انبیا علیہم السلام کو اسی وجہ سے قتل کیا گیا تھا، اسی جرم میں جیلوں میں ڈالا گیا تھا اور اسی کی پاداش میں جلاوطن کیا گیا تھا۔ مگر اس کے بعد خدا کے قہر کا وہ کوڑا برسا تھا جس نے یہود کی کمر توڑ دی تھی۔

آج مسلمانوں کو یہ بات ٹھیک اسی طرح سمجھائی جا رہی ہے، جس طرح یہود کو سمجھائی گئی تھی۔ مگر بدقسمتی سے مسلم لیڈرشپ نے سمجھانے والوں کی بات کو ماننے کے بجاے سمجھانے والوں کو اپنے الزام و بہتان کا ہدف بنا لیا ہے۔ عام لوگوں کو ان سے بدگمان کرنے کے لیے ایسی خوف ناک اور جھوٹی مہمیں چلائی گئیں کہ شیطان بھی اپنے کانوں پر ہاتھ رکھ لے۔ یہ لوگ ایمان و اخلاق کی اصلاح کرنے کے بجاے اس کا بدترین نمونہ بن چکے ہیں۔ مسلمانوں نے اگر اس لیڈرشپ کی پیروی نہیں چھوڑی تو خدا کی سنت نہیں بدلے گی۔ جلد یا بدیر اس سنت الٰہی کا ظہور ہو گا۔ پھر عام و خاص اور گنہ گار و بے گناہ سب اس کی زد میں آئیں گے۔ ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں کہ اس سنت کا ظہور اب پاکستان میں ہو۔ لیکن لوگ باز نہ آئے تو پھر قرآن مجید نے بنی اسرائیل کی دو سزاؤں کے پس منظر میں اللہ تعالیٰ کا فیصلہ بالکل واضح کھول کر سنایا ہے:

”اگر تم پھر وہی کرو گے تو ہم بھی وہی کریں گے۔“ (بنی اسرائیل ۱۷: ۸)

ہمارے لیے تباہی سے بچنے کا ایک ہی راستہ ہے۔ ایمان اور اچھے اعمال کی دعوت کو اپنی زندگی بنائیں۔ اپنی شخصیت کو قرآن مجید کے پیش کردہ اخلاقی معیارات پر پرکھتے رہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق عالیہ کا نمونہ بننے کی کوشش کریں۔ صرف اسی لیڈرشپ کی پیروی کریں جو قرآن مجید کی اس دعوت کی نقیب ہے۔ کسی اور راستے پر چلنے والے خود بھی تباہی کے گڑھے میں گریں گے اور قوم کو بھی اسی میں گرائیں گے۔

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

محمد ذکوان ندوی

کتاب مہجور

قرآن کو چھوڑنے اور اُس سے غفلت واعراض کرنے والے آخرت میں جب اپنی بدبختی پر ماتم کررہے ہوں گے، اُس وقت خود اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اُن کے اِس جرم کی گواہی دیتے ہوئے خدا کے سامنے اُن کی ایک شکایت درج فرمائیں گے، اور وہ ہے، اُن کا قرآن مجید کو 'کتاب مہجور' بنادینا۔ اِس واقعے کا ذکر کرتے ہوئے قرآن میں ارشاد ہوا ہے: 'وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا' (الفرقان ۲۵: ۳۰)، یعنی رسول کہے گا کہ پروردگار، میری قوم کے اِن لوگوں نے قرآن جیسی اِس عظیم کتاب کو بالکل نظر انداز کردیا تھا۔

اِس آیت میں 'مَهْجُوْر' کا لفظ استعمال ہوا ہے، جو 'هَجَرَ' سے مشتق ہے۔ اِس کا مطلب ہے: چھوڑنا اور بالکل نظر انداز کردینا۔ 'هَجْر' یا 'هِجْران' عربی زبان میں کسی چیز سے خصوصی ربط و تعلق کے باوجود اُس کو ترک کردینے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے: 'هو تركُ شيءٍ مع وجود ارتباطٍ بينهما' (التحقیق فی کلمات القرآن، حسن المصطفوی ۱۱/ ۲۶۲)۔

مفسر ابن کثیر (وفات: ۷۷۴ھ) نے آیۂ زیر بحث کی تشریح کے تحت اِس 'هِجْران' کے مختلف پہلوؤں کی وضاحت ان الفاظ میں فرمائی ہے: 'وترك الإيمان به وترك تصديقه من هجْرانه، وترك تدبّره وتفهّمه من هجرانه، وترک العمل به وامتثال أوامره واجتناب زواجره من هجرانه، والعدولُ عنه إلى غيره من شعرٍ أو قولٍ أو غناءٍ أو لهوٍ أو كلامٍ أو طريقةٍ مأخوذةٍ من غيره، من هجرانه' (تفسیر ابن کثیر ۳/ ۳۲۹)، یعنی قرآن پر ایمان نہ لانا، عملاً اُسے سچا نہ جاننا، اُسے سمجھنے اور

اُس پر غور و فکر کرنے کی کوشش نہ کرنا، اُس کی تعلیمات پر عمل نہ کرنا، اُس کے احکام بجا نہ لانا، اُس کے منع کردہ کاموں سے نہ رکنا۔ البتہ اُس کے سوا، بے معنی شاعری، اقوال و ملفوظات، گانا بجانا اور لہو و لعب جیسی دوسری چیزوں میں منہمک رہنا، نیز اُن چیزوں اور اُن علوم میں دل چسپی لینا جو قرآن سے ماخوذ و مستفاد نہ ہوں، جنھیں قرآن کی تصدیق حاصل نہ ہو۔ یہی وہ روش ہے جسے یہاں قرآن کو کتاب مہجور بنا دینے سے تعبیر کیا گیا ہے۔

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اِس 'ہجران' سے مراد قرآن کو بظاہر مان کر حقیقتاً اُس کو نہ ماننا ہے، یعنی قرآن کے مومن ہونے کا دعویٰ کرنے کے باوجود تذکیر و تلاوت کے اعتبار سے عملاً قرآن کو اپنی زندگی سے نکال دینا، اُس کو کتاب مقدس سمجھنے کے باوجود اُس کو کتاب ہدایت نہ سمجھنا، اصول دین میں اُس کی حاکمیت کو تسلیم نہ کرنا، اُسے 'میزان' و 'فرقان'، معیار حق و باطل اور رہنما و قائد کے مقام سے ہٹا کر معروف معنوں میں محض ایک پر اسرار کتاب اور ایک مقدس گرنتھ بنا دینا۔

قرآن مجید سے غفلت و اعراض کے مختلف پہلو ہیں۔ اِس ہجران کے بعض مظاہر کا تذکرہ کرتے ہوئے آٹھویں صدی ہجری کے مشہور عالم ابن قیم الجوزیہ (وفات: ۷۵۱ھ) تحریر فرماتے ہیں:

☆ هَجْرُ سماعه، والإيمان به، والإصغاء إليه.

☆ هجر العمل به، والوقوف عند حلاله وحرامه وإن قرأه وآمن به.

☆ هجر تحكيمه والتحاكم إليه في أصول الدِّين وفروعه، واعتقاد أنه لا يفيد اليقين، وأنّ أدلّته لفظيةٌ لا تحصل العلم.

☆ هجر تدبره وتفهمه، ومعرفة ما أراد المتكلم به منه.

☆ هجر الاستشفاء والتداوي به في جميع أمراض القلوب وأدوائها، فيطلب شفاء دائه من غيره، ويهجر التداوي به. وكلُّ هذا داخل في قوله تعالى: «وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا» (الفوائد، ابن القیم الجوزیہ ۱/ ۸۲)۔

☆ قرآن مجید کو سننے، اُس پر ایمان لانے اور اُس کی طرف متوجہ ہونے کو ترک کر دینا۔

☆ قرآن مجید پر عمل نہ کرنا، اُس کے حلال و حرام کا اتباع نہ کرنا، خواہ بظاہر آدمی قرآن مجید کو پڑھنے اور اُس پر ایمان رکھنے کا دعویٰ کرے۔

☆ اصول دین اور اُس کے فروعات کے معاملے میں قرآن مجید کو حاکم نہ بنانا اور عملاً اُس کے فیصلے کو نہ ماننا۔

اِسی طرح یہ سمجھنا کہ 'اصولی' معاملات میں قرآن مجید سے یقین کا فائدہ حاصل نہیں ہوتا، نیز یہ کہ قرآن مجید کے دلائل لفظی ہیں اور اِس طرح کے لفظی دلائل سے قطعی علم حاصل نہیں ہو سکتا۔

☆ قرآن مجید کو سمجھنا اور نہ اُس پر غور و فکر کرنا، نیز اُس کی آیات میں بیان کردہ اللہ کی اصل منشا و مراد کی معرفت اور اُس کا علم حاصل کرنے کی کوشش نہ کرنا۔

☆ اِسی طرح، تمام قلبی امراض (غفلت و قساوت اور بخل و نفاق، وغیرہ) میں قرآن مجید سے شفا و علاج حاصل کرنے کے بجاے اُس کے علاوہ چیزوں میں شفا کا یقین رکھنا اور قرآن مجید کے بتائے ہوئے نسخۂ شفا کو ترک کر دینا۔ یہ تمام چیزیں اِس ارشاد الٰہی کی وعید میں شامل ہیں: 'وَقَالَ الرَّسُوۡلُ یٰرَبِّ اِنَّ قَوۡمِی اتَّخَذُوۡا هٰذَا الۡقُرۡاٰنَ مَهۡجُوۡرًا' (الفرقان ۲۵: ۳۰)۔

حقیقت یہ ہے کہ گذشتہ 'اقوام' (یہود و نصاریٰ) کا جرم بھی یہی تھا اور موجودہ مسلمانوں کا جرم بھی یہی ہے۔ انھوں نے بھی عملاً کتاب اللہ کو چھوڑ دیا تھا، اور موجودہ زمانے کے مسلمانوں نے بھی کتاب اللہ کے معاملے میں یہی طریقہ اختیار کر رکھا ہے، یعنی قرآن ایک قومی کتاب ہونے کے باوجود عملاً اُن کے نزدیک اپنی اصل حیثیت (کتاب ہدایت) کے اعتبار سے باقی نہیں رہا۔

[لکھنؤ، ۱۰ / جون ۲۰۲۲ء]

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

"Note from Publisher: Al-Mawrid is the exclusive publisher of Ishraq. If anyone wishes to republish Ishraq in any format (including on any website), please contact the management of Al-Mawrid on info@al-mawrid.org. Currently, this journal or its contents can be uploaded exclusively on Al-Mawrid.org, JavedAhmadGhamidi.com and Ghamidi.net"

Trusted Name for Last 65 years

Best Treatment for Your Branded Kurtas, Bosky Ladies' Shalwar Suits, Trousers, Dress Shirts & Jackets

Since 1949

Snowhite

DRYCLEANERS

Largest Cleaning Network ... COUNTRYWIDE!

TQCSI

Quality Certified

Brands of the year Award

IT'S ALL ABOUT CHAMPIONS

2011-2012

Web: www.snowhite.com.pk

Tel: 021-38682810